ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

محدث

لاہور
پاکستان

مدیر اعلیٰ

ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی حفظہ اللہ

402 | جنوری 2026ء / رجب 1447ھ

مجلس التحقیق الاسلامی

اعلان داخلہ
SESSION FALL 2025

جامعۃ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ)
کے شعبہ المعهد العالي للعلوم الاجتماعية

لاہور انسٹیٹوٹ فار سوشل سائنسز
Lahore Institute For Social Sciences

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے الحاق شدہ

درس نظامی + 4 سالہ بی ایس اسلامک سٹڈیز

ریگولر کلاسز (برائے طلباء و طالبات)

عالیہ/بی اے کی سند کے حاملین کے لیے ڈائریکٹ 5th سمسٹر میں داخلہ جاری ہے۔

اہلیت: FSC، ICS، FA یا کسی بھی وفاق سے ثانویہ خاصہ کیا ہو۔

مدارس سلفیہ میں درس نظامی + وفاق المدارس اور ریگولر بی ایس اسلامک سٹڈیز کروانے والا پہلا ادارہ

اس وقت ادارہ میں بی ایس اسلامک اسٹڈیز کے 125 طلبہ و طالبات اپنی تعلیم جاری رکھے ہوئے ہیں۔

خصوصیات

- تعلیم کے ساتھ بہترین تربیت تاکہ علم کے ساتھ کردار بھی سنورے
- درس نظامی کے ساتھ ساتھ جدید عصری تعلیم کا حسین امتزاج
- بی ایس کی ڈگری جو تعلیمی و پیشہ ورانہ زندگی میں معاون ثابت ہو
- عربی زبان میں مہارت کے لیے خصوصی توجہ
- قرآن و حدیث کا گہرا فہم اور فقہی بصیرت
- آرام دہ پرسکون تعلیمی ماحول
- وسیع و عریض شاندار بلڈنگ

برائے رابطہ: 0321 2637163
0304 4328010

وائس پرنسپل
ڈاکٹر حافظ شاکر محمود

لاہور انسٹی ٹیوٹ فار سوشل سائنسز (المعہد العالی کیمپس)
ہیڈ آفس 91 بابر بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

ملّتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی ﷫

مدیر: ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی

مُحدّث
لاہور پاکستان

جلد 57 | جنوری 2026ء / رجب ۱۴۴۷ھ | عدد 01

مجلس مشاورت
■ مولانا ارشاد الحق اثری ■ حافظ عبد الستار حماد ■ مولانا محمد شفیق مدنی ■ ڈاکٹر حافظ حسن مدنی
■ ڈاکٹر حافظ محمد زبیر ■ ڈاکٹر حافظ طاہر اسلام ■ ڈاکٹر جواد حیدر ■ ڈاکٹر آصف جاوید

مدیر معاون
عبد الرحمن عزیز
0308-4131740

مینیجر
محمد اصغر
0305-4600861

زرسالانہ =/1200 روپے
فی شمارہ =/200 روپے

بیرون ملک
زرسالانہ =/30 ڈالر
فی شمارہ =/5 ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No: 984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ
99 جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700
042-35866396, 35866476
Email:
Mohaddislhr@gmail.com

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni
Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore.

فہرست مضامین

اداریہ	منبر ومحراب کی قیمت	ڈاکٹر جواد حیدر	4
شعائراللہ	استحکام مساجد وتحفظ مدارس	علامہ ابتسام الٰہی ظہیر	9
شعائراللہ	استحکام مساجد وتحفظ مدارس بیانیہ	علماء اسلام	14
عقیدہ اہل سنت	شرح کتاب التوحید	ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی	20
محدث فتاویٰ	غیر مسلموں کی عیدوں پر مبارک باد دینا	حافظ خضر حیات	29
احکام و مسائل	غیر مسلم تہواروں پر مبارک باد دینا .... یورپین کونسل برائے افتاء وتحقیق		34
فکرونظر	مسئلہ فلسطین میں سعودی عرب کا کردار	ڈاکٹر آصف جاوید	41
فکرومنہاج	اتحاد امت اور محدث گوندلوی	ڈاکٹر حافظ محمد زبیر	55
تحقیق و تنقید	مولانا اصلاحی کے فکری تضادات	پروفیسر محمد رفیق	74
وفیات	مفتی اعظم سعودیہ و دیگر علماء کی رحلت	ڈاکٹر طاہر اسلام عسکری	81
اشاریہ	اشاریہ ماہنامہ محدث	محمد شاہد حنیف	90

Islamic Research Council

محدّث کتاب و سنّت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے لہٰذا ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کُلی اتفاق ضروری نہیں!

منبر و محراب کی قیمت

مسلم معاشرے کی بقاء اور استحکام میں مساجد اور آئمہ کرام کا کردار مرکزی نوعیت کا رہا ہے۔ جیسے متمدن ممالک میں ریاست اپنے نظامِ حکومت، دفاع اور نظمِ عامہ کو برقرار رکھنے اور بہتر سے بہتر بنانے کے لیے افواج، پولیس، عدلیہ، بیوروکریسی اور دیگر انتظامی ادارے قائم کرتی ہے اور ان کے اہلکاروں کی تربیت کے لیے باقاعدہ اکیڈمیاں قائم کرتی ہے، جہاں پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ ساتھ قومی خدمت، دیانت، نظم اور اخلاقی ذمہ داری کا شعور پیدا کیا جاتا ہے، مسلم معاشروں میں یہی کردار اپنی اعلیٰ ترین شکل میں "مسجد" ادا کرتی ہے۔ اسلامی معاشروں میں مسجد صرف مرکزِ عبادت ہی نہیں ہوتی، بلکہ تعلیم، عدل، مشاورت اور اجتماعی شعور کی درسگاہ کی ذمہ داری بھی نبھاتی ہے۔ مسجد بلاشبہ ایمان کی حفاظت، علم کی ترویج، عمل کی ترغیب، کردار کی تعمیر اور خدمتِ خلق جیسے امور کے فروغ کی ضامن ہے۔

اجتماعیات میں مسجد کے اسی متحرک کردار کے پیش نظر سیدنا آدم علیہ السلام نے سب سے پہلی مسجد بیت اللہ کی تعمیر کی، بعد میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس کی بنیادیں اٹھائیں، اللہ تعالیٰ نے اسے باعثِ برکت اور جہانوں کے لیے مرکزِ ہدایت قرار دیا۔

نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو سب سے پہلے وہاں مسجد تعمیر کی۔ اور وہاں صرف پنج وقتہ نماز ہی نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ اسلامی ریاست کا بنیادی مرکز تھا جہاں سے تعلیم، دعوت، عدل، مشاورت، سیاست اور قیادت کے شعبے پروان چڑھے۔ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ مسجد نبوی ہی کے فیض یافتگان نے اسلام کی روشنی سے عرب کے گوشے گوشے کو منور کر دیا، پھر ہر بستی، ہر گاؤں اور ہر شہر میں مساجد تعمیر کی گئیں۔ بعد ازاں جب عرب کی سرزمین سے باہر نورِ اسلام پھیلا تو اس روشنی کا منبع بھی یہی مراکز و مساجد تھیں۔ یہ بھی ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ مسلم معاشرے میں ہمیشہ مساجد علمی و روحانی بقا کا ذریعہ بنی رہیں اور اسی اعتبار سے انہیں تقدس و احترام حاصل رہا۔

بعد میں جب مساجد سے اُن کی یہ مرکزی حیثیت چھین لی گئی، ان کی جگہ شاہی درباروں کو عزت و عظمت

کی علامت سمجھ لیا گیا تو امت پر زوال و ادبار کے سائے منڈلاتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ آج ہم اس دور سے گزر رہے ہیں جہاں ہمہ جہتی زوال نے ہر طرف اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں۔

خالق کائنات کو اپنی کائنات میں سب سے پسندیدہ مقام مساجد ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ مَسَاجِدُهَا .[1]

"اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب جگہیں مساجد ہیں"۔

مساجد کی آبادکاری کو ایمان کی دلیل قرار دیا گیا ہے، فرمایا:

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ﴾ [التوبة :١٨]

"مساجد صرف وہ تعمیر کرتے ہیں جو اللہ پر ایمان لائیں اور یوم آخرت پر۔"

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہیں کسی آدمی کے متعلق معلوم ہو کہ وہ مسجد کی دیکھ بھال کرتا ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دے دو[2]۔ تاریکی میں مسجد جانے والوں کے لیے کامل نور کی بشارت ہے[3]۔ نبی کریم ﷺ نے مساجد میں آنے والوں کو اللہ کے مہمان قرار دیا ہے[4]۔ مساجد سے دل لگانے والے روزِ قیامت باری تعالیٰ کے عرش کے سائے میں ہوں گے ۔[ذکرِ الٰہی یا جماعت کے انتظار میں[5]] مساجد میں محض بیٹھنا ہی گناہ کا کفارہ بن جاتا ہے[6]۔ مسجد میں جو مقصد لے کر جائیں پورا ہوتا ہے[7]۔ اس طرح کے بہت سے دلائل مساجد کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔

مسجد مسلمانوں کی دینی ضرورت کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ایک ایسے پاکیزہ اور پائیدار معاشرے کی تشکیل کرتی ہے، جس میں افراد باہمی ہمدردی، ایثار اور غمگساری کے جذبات سے سرشار ہوتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں، اگر ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو پورا جسم بے قرار ہو

---

١ صحیح مسلم ، کتاب باب أحب البلاد الى الله ....: ٦٧٠/ ٢٨٨
٢ سنن ترمذی، أبواب التفسیر ، باب تفسیر سورة التوبة :٣٠٩٣
٣ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة ، باب ماجاء فی المشی الی الصلاة فی الظلام :٥٦١
٤ سلسلة أحادیث صحیحة:١١٦٩
٥ صحیح البخاری،کتاب الأذان ، باب من جلس فی السجد ینتظر الصلاة ....:٦٦٠
٦ سنن تر مذی ، کتاب الصلاة ، با ب ماجاء فی العقود فی المساجد :٣٣٠
٧ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب فی فضل العقود فی المسجد :٤٧٢

جاتا ہے ۔ باہمی ہمدردی کے اس جذبے کو پروان چڑھانے میں مسجد بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

دورِ نبوی اور خلافتِ راشدہ میں مسجد صرف عبادت گاہ نہیں بلکہ سماجی، انتظامی اور مشاورتی مرکز بھی تھی۔

خوفِ خدا، معاشرتی اصلاح اور اخلاقی تربیت کے تناظر میں مسجد کے کردار کو دیکھا جائے تو وہ یقیناً یونیورسٹیز، کالجز اور سکولز سے کئی گنا بڑھ کر ہے۔ مساجد کے آئمہ کرام، خطباء عظام اور قراء کرام کی محنت اور ان کا کردار ہر سطح کے اساتذہ اور موٹیویشنل سپیکرز سے ہر اعتبار سے بڑھ کر ہے۔

پنجاب حکومت نے آئمہ مساجد کے لیے ماہانہ تنخواہ مقرر کرنے کا اعلان کیا ہے۔ یہ اقدام اس اعتبار سے یقیناً خوش آئند اور حوصلہ افزا ہے کہ جو کام آج تک کسی حکومت کی ترجیح نہیں رہا وہ موجودہ حکومت سرانجام دینے جا رہی ہے۔ اس بارے اگرچہ بہت سے خدشات بھی سامنے آرہے ہیں، لیکن اصولی طور پر اس اقدام کو سراہا جانا چاہیے۔ تاہم یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ یہ قدم جس انداز سے اٹھایا جا رہا ہے، کہیں اس مقدس پیشے کی تضحیک اور تحقیر کا سبب تو نہیں بن جائے گا؟ اس کی تفصیل میں جانے سے قبل مسجد کے کردار اور اہمیت کو جاننا ضروری ہے، تاکہ اس کی اصل حیثیت ہمارے سامنے رہے۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں مساجد اور مساجد کے متعلقین کے لیے حکومتی کاوشوں کا جائزہ لیا جانا چاہیے۔

① ہماری رائے میں مساجد کے آئمہ کرام کے لیے پچیس ہزار روپے کی تنخواہ نہ صرف ان کے ساتھ مذاق ہے، بلکہ ان کی حیثیت کو غلط طور پر جانچنے کا نتیجہ ہے۔ پنجاب حکومت آئمہ کرام کی یہ خدمت ایسے وقت میں سرانجام دے رہی ہے جب اس نے خود چند ہفتے پہلے مزدور کی کم از کم ماہانہ اجرت چالیس ہزار روپے مقرر کی ہے۔ اس کے برعکس حکومتی عہدوں پر فائز بہت سے ملازمین لاکھوں میں تنخواہ لے رہے ہیں۔ صحافیوں، فنکاروں، گلوکاروں، شاعروں، ادیبوں اور رقاصوں کے علاوہ فروغِ کلچر کے لیے قائم اداروں اور دیگر بہت سے ملازمین کے لیے کروڑوں کے فنڈز فراہم کیے جاتے ہیں، لیکن افسوس یہ ہے کہ سب سے مقدس پیشے سے وابستگان محض پچیس ہزار کے حق دار ٹھہرے ہیں۔

② آئمہ و خطباء کی سرپرستی بجا طور حکومتی ذمہ داری ہے، لیکن خدشہ ہے کہ باقاعدہ کوئی نظام وضع کیے بغیر یہ خدمت کلفت نہ بن جائے۔ اس لیے باقاعدہ نظام وضع کیا جانا چاہیے جس میں میرٹ ہو اور اسے خویش نوازی، اقربا پروری اور بدعنوانی سے مکمل محفوظ رکھا جائے۔

---

1 صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب رحمة الناس و البهائم: ٦٠١١، صحیح مسلم: ٢٥٨٦

③ اعانت کا اعلان صرف پینسٹھ ہزار مساجد کے لیے کیا گیا ہے، جبکہ ٹائمز آف کراچی اور بعض دیگر ذرائع نے رپورٹ کیا ہے کہ اقتصادی مردم شماری ۲۰۲۳ء کے اعداد و شمار کے مطابق صوبہ پنجاب میں مساجد کی تعداد تین لاکھ ستائیس ہزار دو سو ایک ہے۔ سوال یہ ہے کہ اعانت کے لیے مساجد کا انتخاب کیسے ہو گا؟ اس کے لیے وہ کون سا میرٹ ہے جس کے تحت اس عمل کی شفافیت کو ملحوظ رکھا جا سکتا ہے؟

④ یہاں یہ سوال بھی اہم ہے کہ کیا آئمہ و خطباء کی ماہانہ اعانت مستقل طور پر جاری بھی رہ پائے گی یا یہ محض وقتی ہے؟ اور یہ بھی کہ کیا آئندہ کی حکومتیں بھی اسے قائم رکھ سکیں گی یا نہیں؟ اس لیے کہ اس اعانت کے بعد لوگوں کا یہ رجحان بن جائے گا کہ امام صاحب تو حکومت سے تنخواہ لے رہے ہیں، لہٰذا وہ چندہ جمع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے۔ اور اگر کچھ عرصہ بعد یا اگلی حکومت نے اسے ختم کر دیا تو یہ عمل مساجد کے نظام کو بگاڑ کے رکھ دے گا۔

⑤ اس اعانت کے بعد اگر حکومت ترکی یا عرب ریاستوں کی طرح مساجد کی آزادی سلب کرنے کی کوشش کرے اور لادینی اور سیکولر سوچ کے تحت مساجد کو چلانے لگے تو یہ عمل ایک نئے انتشار کا باعث ہو گا، جو کسی طور بھی ریاست کے مفاد میں نہیں۔ مساجد کا کنٹرول مسلم معاشرے کے ہی سپرد رہنا چاہیے اگر برصغیر میں انگریز تسلط کے بعد سے لے کر آج تک مسلم معاشرہ مساجد کے بارے میں اپنی ذمہ داری بخوبی نبھا رہا ہے تو آئندہ بھی مایوسی نہیں ہو گی۔

⑥ آئمہ مساجد کے لیے پچیس ہزار روپے کے اس اعلان کے بعد عوامی حلقوں میں بہت سی تشویش بھی پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہا جا رہا ہے کہ سانحہ مریدکے کے بعد حکومت اس اعانت کو مذہبی کارڈ کے طور پر استعمال کر رہی ہے۔ اور یہ کہ حکومت اپنی پالیسیوں کی وجہ سے اپنے دائیں بازو کے ووٹر کو اپنے مخالف کر چکی ہے اور ائمہ کی اعانت کی بدولت اس ووٹر کا اعتماد بحال کرنا ہے۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ اعانت کا مقصد وقف املاک پر تسلط جمانا ہے۔ نیز یہ کہ ہارڈ سٹیٹ بنانے کے لیے مساجد کو پابند کرنا مقصود ہے۔

ہمارے نزدیک یہ سب ظنون محض گمان اور امکانات ہیں، امید ہے کہ حکومت یہ سب نیک نیتی کے ساتھ کر رہی ہے اور اگر حکومت اپنے ان اقدامات کے پیچھے معمولی سی بھی بدنیتی رکھتی ہے تو نہیں بھولنا چاہیے کہ مساجد میں خرابی کا ارتکاب اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا أُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ

اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآىِٕفِيْنَ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١١٤﴾

[البقرۃ: ١١٤]

"اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام ذکر کرنے سے روکے اور اس کی خرابی کے درپے ہو؟ انہیں تو یہ چاہیے تھا کہ مسجدوں میں اللہ سے ڈرتے ڈرتے داخل ہوتے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے"۔

ہماری نظر میں آئمہ مساجد کی ماہانہ تنخواہ کا حکومتی اقدام یقیناً خوش آئند ہے، بشرطیکہ یہ منبر و محراب کے تقدس اور ان کے مقام و مرتبے کو درست طور پر جانچنے کے بعد کیا جائے۔ منبر و محراب کی حرمت اتنی بلند ہے کہ اس کا مول جنت سے کم نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ یہ منبر اُن دلوں کی امانت ہے جو علم کے نور اور ایمان کی حرارت سے منور ہیں۔ اس کے حقیقی ورثاء علمائے حق ہیں، جن کی قیمت دنیا کے خزانے نہیں چکا سکتے، کیونکہ اُن کے ضمیر آسمانی امانتوں کے امین ہیں اور آسمانی امانتیں زمینی سکّوں سے نہیں خریدی جا سکتیں۔

مساجد کے ساتھ جو مسلمانوں کے دل جڑے ہوئے ہیں اور منبر رسول ﷺ کی جو عظمت اہل ایمان کے ذہنوں پر چھائی ہوئی ہے، کہ وہاں سے اٹھنے والی آواز تقدس کے ساتھ ساتھ ایک اثر اور قبولیت بھی رکھتی ہے، تو حکومت کو چاہیے کہ منبر و محراب کے ورثا کے ساتھ مخاصمت کا رویہ رکھنے یا اس آواز کو محدود کرنے یا کی بجائے اسے قوم کی تعلیم و تربیت کے لیے استعمال کرے اور امت کے اتحاد و اتفاق کا ذریعہ بنائے۔

ستائیسویں ترمیم اور استثنا کا مسئلہ

پاکستان کی مقننہ کی تاریخ بھی دوسرے اداروں سے کم افسوس ناک نہیں ہے۔ قوم کی نمائندگی کا دعویٰ کرنے والے قانون بناتے ہوئے ہمیشہ قوم کی بجائے اپنے مفادات کو سامنے رکھتے ہیں۔ ان میں بعض اعلیٰ عہدوں پر متمکن شخصیات کے استثنا کا مسئلہ ہے۔ پہلے قانون میں انہیں اپنے عہدوں پر رہتے ہوئے استثنا حاصل تھا، لیکن ستائیسویں ترمیم میں انہیں تاحیات استثنا دے دیا گیا ہے۔ ایک طرف ملک میں کرپشن بڑھتی جا رہی ہے اور دوسری طرف جن کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور ہے وہ قانون، عدالت اور قوم کو جواب دہ ہی نہیں ہیں، ایسی صورت میں کرپشن کیونکر ختم ہو گی اور ملک کیونکر چلے گا!!

استثنا کی شرعی حیثیت کے لیے ملاحظہ فرمائیں: ماہنامہ محدث، مارچ ۲۰۱۲ء، صفحہ ۷۰، مضمون بعنوان: "صدارتی استثنا اور اسلام" ملاحظہ فرمائیں۔

(ڈاکٹر جواد حیدر)

استحکام مساجد و تحفظ مدارس دینیہ سیمینار

علامہ ابتسام الٰہی ظہیر

انسان جب سے اس کرۂ ارض پر آباد ہوا ہے، تب سے ایک سوال انسانیت کے ذہنوں میں گردش کرتا چلا آ رہا ہے کہ انسان کی تخلیق کا اصل مقصد کیا ہے؟ اس بنیادی سوال کا صحیح اور حتمی جواب وہی ذات دے سکتی ہے جس نے انسان کو پیدا کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں اس حقیقت کو واضح فرما دیا کہ انسان کی تخلیق کا مقصد اس کی عبادت اور بندگی ہے:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [الذاریات: 56]

"میں نے جن وانس کو محض اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں"۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی میں اجتماعیت، یکسوئی اور نظم وضبط قائم رکھنے کے لیے تواریخ قدیمہ سے لے کر آج تک اللہ کے گھر (مساجد) تعمیر کیے جاتے رہے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر بیت اللہ کی تعمیر کی، جسے قرآنِ کریم میں بڑے لطیف انداز میں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

[البقرۃ: 127]

"اور جب ابراہیم اور اسماعیل کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے کہ اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، بے شک تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے"۔

یہ گھر وادیٔ غیر ذی زرع میں بنایا گیا، اور اسی کے قریب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو مستقل طور پر آباد کیا تاکہ وہ اس گھر کو آباد رکھیں، توحید کی شمع روشن رکھیں اور نماز قائم رکھیں۔ دعائے خلیل اللہ علیہ السلام قرآن میں محفوظ ہے:

﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ

﴿أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيٓ إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾[ابراهيم: 37]

"اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد تیرے حرمت والے گھر کے پاس بے کھیتی وادی میں بسائی ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں، پس لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں کی روزی عطا فرما تاکہ وہ شکر گزار بنیں"۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کو یہ بھی حکم دیا کہ

﴿أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ﴾[البقرة: 125]

"میرے گھر کو طواف کرنے، اعتکاف کرنے اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو"۔

یہ تعلیمات اس بات کی دلیل ہیں کہ مساجد امت کی روحانی، اخلاقی اور تہذیبی زندگی کی بنیادیں ہیں۔

سیرتِ نبوی ﷺ سے بھی اس حوالے سے گرانقدر راھنمائی ملتی ھے

ہجرت کے فوراً بعد رسول اکرم ﷺ نے مسجد قباء کی بنیاد رکھی، اور مدینہ میں سکونت اختیار کرتے ہی مسجد نبوی کی تعمیر کا آغاز کیا۔ صحابہ کرامؓ نے اپنی بساط کے مطابق اس عظیم کام میں حصہ لیا۔ ان مساجد کی بنیاد تقوی اور للّٰہیت پر رکھی گئی تھی چنانچہ مساجد کی بنیاد کے مقاصد کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا

﴿لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ﴾[التوبة: 108]

"وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہی اس قابل ہے کہ آپ اس میں قیام کریں"۔

مسجد نبوی صرف نماز کی جگہ نہ تھی بلکہ یہ مرکزِ عبادت، درسگاہِ قرآن و سنت، تربیت و تزکیہ گاہ، عدالتی و سماجی معاملات کے حل کا مرکز، فتنوں کی سرکوبی کا مرکز، وفود کے استقبال کا مقام اور امت کی اجتماعی قیادت کا مرکز تھا۔ یہیں سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا ہوتا ہے۔ مساجد انسان کے روحانی ارتقاء کا مقام ہیں، بلکہ یہ فلاحِ انسانیت کے حقیقی مراکز بھی ہیں۔ اذان کی ہر نداء انسان کو فلاح (کامیابی) کی طرف بلاتی ہے۔

آپ ﷺ نے اپنی رہائش بھی مسجد نبوی سے متصل رکھی اور پانچوں نمازوں کی امامت کے ذریعے امت کی تعلیم و تربیت فرماتے رہے۔ اسی لیے مساجد کا قیام، آبادکاری اور مقاصد کا تحفظ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔

قرآن و سنت کے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ جو دل مسجد کی آبادکاری سے خوش ہو، وہ ایمان والا دل ہے؛ اور جو مسجد سے نفرت کرے، وہ نفاق اور سرکشی کے راستے پر ہے اور مساجد میں خلل ڈالنے والا اللہ کے ارشاد کے مطابق بہت بڑا ظالم ہے۔

بد قسمتی سے بعض عناصر مساجد کو ان کے اصل مقاصد سے دور کرنے، ان پر بے جا پابندیاں لگوانے اور حکومت و مساجد کے درمیان بدگمانی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسی صورتِ حال کے پیشِ نظر قرآن و سنت موومنٹ نے 18 نومبر کو مرکز قرآن و سنت، لارنس روڈ میں ایک کل جماعتی سیمینار کا انعقاد کیا گیا۔

1. سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے بطور چیئر مین قرآن و سنت موومنٹ میں نے واضح کیا کہ

- ہم الحمد للہ آئین و قانون پر یقین رکھتے ہیں اور تبدیلی کے لیے تشدد یا انتشار کے راستے کے کسی بھی طور پر حامی نہیں۔
- مساجد و مدارس دین کے قلعے ہیں۔ یہ اخوت، اتحاد اور رواداری کی تعلیم دیتے ہیں۔
- یہ مراکز دین کی تبلیغ، تعلیم، تربیت، اصلاح اور امر بالمعروف کے عظیم فریضے کی ادائیگی کرتے ہیں۔ ان کی خود مختاری پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جاسکتا
- تمام مکاتبِ فکر اس بات پر متفق ہیں کہ معاشرے میں شریعت کا نفاذ اور حدود و تعزیرات کا نظام قائم ہو اور قراردادِ مقاصد اور آئین کے مطابق قرآن و سنت کو سپریم لاء کی حیثیت سے نافذ کیا جائے۔
- ہم آئین اور قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے دینی تعلیم، تدریس اور تبلیغ کے فریضے کو جاری رکھیں گے اور اس حوالے سے کسی قسم کے مالی دباؤ اور پابندی لگانے کی کوشش بلاجواز ہو گی۔ لہٰذا مساجد کی خود مختاری اور حریت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا۔

اس موقع پر

2. حافظ عبد الغفار روپڑی (امیر جماعت اہل حدیث، پاکستان) نے فرمایا:

- حکومت جان لے کہ چند ہزار روپے دے کر علماء کو خریدا نہیں جاسکتا۔ اگر حکمران احکامِ الٰہی کے خلاف چلیں گے تو علماء حق ان کے سامنے ڈٹ جائیں گے۔

3. محمد جاوید قصوری (امیر جماعت اسلامی پنجاب) نے فرمایا:

- حکومت تعلیمی اداروں سے لے کر مساجد و مدارس تک ہر چیز کو محدود کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ ہر مسجد کی تعمیر کا ایک واضح قانونی طریقہ کار ہے جسے بدنام نہ کیا جائے۔
- حکمرانوں کی پرانی خواہش ہے کہ مساجد اور مدارس پر کنٹرول حاصل کیا جائے۔ ایک عرصے سے

مدارس کو مختلف انداز سے نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔ قوانین کی آڑ میں پابندیاں عائد کرنے کے ساتھ ساتھ اکاؤنٹس کے مسائل کھڑے کیے گئے اور مسلسل پروپیگنڈا بھی کیا گیا لیکن مدارس کے پانچوں بورڈز کے اتحاد کی وجہ سے حکومت کو اپنے اقدامات میں پسپائی اختیار کرنا پڑی۔

- پاکستان میں اسلامائزیشن کو کنٹرول کرنے کے لیے امریکہ، برطانیہ اور دیگر بیرونی طاقتیں مداخلت کر رہی ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے حکمران بھی نظامِ تعلیم سے لے کر مساجد و مدارس تک، ہر شعبے کا گلا گھونٹنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

4. میاں جلیل احمد شرقپوری (ایم پی اے) نے فرمایا:

- حکومت کا علماء اور ائمہ مساجد کو فنڈ دینے کا فیصلہ دراصل سانحہ مریدکے میں ہونے والے ظلم کو کیموفلاج کرنے کی کوشش دکھائی دیتا ہے۔ یہ علماء کے ضمیر خریدنے کی کوشش ہے۔
- ریاست نے کلمہ طیبہ کے حقیقی مفہوم کی تعلیم میں کوئی کردار ادا نہیں کیا جبکہ اربوں روپے فزکس، کیمسٹری اور بائیولوجی اور سائنسی علوم پر خرچ کرنے کے باوجود ملک آج بھی ان میدانوں میں غیروں کا محتاج ہے۔
- علماء دینی مسائل میں ہمیشہ خود کفیل رہے ہیں، انہوں نے ہمیشہ اپنی مدد آپ ہی کے تحت دین کی خدمت کی۔
- گزشتہ دو ڈھائی برس سے قرآن پاک کی توہین کے سنگین واقعات مسلسل پیش آ رہے ہیں مگر بار بار توجہ دلانے کے باوجود حکومت نے نہ کوئی تدارک کیا اور نہ سنجیدگی دکھائی۔ جو حکومتی غفلت اور مجرمانہ لاپرواہی کی بدترین مثال ہے۔

5. ڈاکٹر حافظ حسن مدنی (چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی) نے فرمایا:

- حکومت نے ائمہ مساجد کو دس نکاتی معاہدے کا پابند کیا ہے جن میں بعض نکات سراسر ناقابل قبول اور دستور و شریعت کے خلاف ہیں۔ ایسے معاہدوں کو قبول کرنا جائز نہیں۔
- حکومت کا ائمہ اور خطباء سے یہ مطالبہ بھی ہے کہ وہ کسی بھی سیاسی سرگرمی میں حصہ نہ لیں۔ جبکہ سیاسی موقف دینے پر پابندی کا مطالبہ بنیادی حقوق اور جمہوریت کیخلاف ہے۔

6. حافظ نصیر احمد احرار (سیکرٹری جنرل جمعیت علماء اسلام، پاکستان) نے فرمایا:

- پاکستان کی تعمیر اور استحکام میں مساجد و مدارس کا کردار بے مثال رہا اور مستقبل میں بھی رہے گا لیکن منبر و محراب کی خود مختاری اور آزادی پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔
- حکومتی وظیفے اور شرائط کو قبول کرنے کا مطلب ہے کہ حکمرانوں کے خلافِ شرع احکامات و اقدامات پر اُن سے تائید و اتفاق کیا جائے اور ان کے خلاف بات نہ کی جائے۔
- ہمارا بنیادی موقف یہ ہے کہ حکومت کا کوئی بھی ایسا اقدام جس سے مسجد، مدرسے کی آزادی اور خود مختاری پر سمجھوتہ کرنا پڑے، ہم اسے پاؤں کی ٹھوکر پر رکھیں گے اور کسی صورت قبول نہیں کریں گے۔

7. مولانا عزیز الرحمن ثانی (رہنما عالمی مجلس ختم نبوت، پاکستان) نے فرمایا:

- اس وقت حکومت نے مدارس اور مساجد کے حوالے سے جو ایجنڈا اپنایا کیا ہے، ہمارے تمام اکابرین نے اسے مکمل طور پر مسترد کر دیا ہے۔

8. مولانا فداء الرحمن (راہنما اہل سنت والجماعت، پاکستان) نے فرمایا:

- حکومتِ وقت اگر چاہتی ہے کہ 25 ہزار میں علماء کی زبانوں کو بند کیا جائے یا خرید لیا جائے تو یہ ان کی بھول ہے۔ جب سامراجی نظام آیا تھا تو اس وقت بھی علماء نے اپنی جانیں پیش کر کے اسلام کے علم کو بلند کیا تھا۔ ان شاء اللہ حکومت کے یہ ہتھکنڈے خود ہی دم توڑ جائیں گے، مگر مساجد و مدارس میں محبت اور مودّت کا علم ہمیشہ لہراتا رہے گا۔

اس موقع پر مولانا مفتی محمد شفیق مدنی، ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی، ڈاکٹر شفیق الرحمن زاہد، مولانا مفتی محمد شفیع طاہر، ڈاکٹر مفتی منیر احمد وقار، مولانا ابن بشیر الحسینوی، ڈاکٹر عتیق الرحمن شہزاد، قیم الٰہی ظہیر، حافظ حنین قدوسی اور دیگر علماء و رہنماؤں نے اہم نکات پر روشنی ڈالی اور قائدین کی مشاورت سے بعض سفارشات پیش کی گئیں جو قارئین محدث کی خدمت پیش کی جارہی ہیں۔

سیمینار کے شرکاء نے امید ظاہر کی کہ حکومت ان نکات کو سنجیدگی سے لے گی اور دینی اداروں کے وقار، کردار اور استحکام کو مضبوط بنانے میں عملی اقدامات کرے گی اور مساجد کو اپنے دائرہ کار میں کام کرنے میں کوئی روکاوٹ پیدا نہیں کرے گی، ان شاء اللہ

قرآن و سنہ موومنٹ پاکستان کے زیر اہتمام کل جماعتی

استحکامِ مساجد و تحفظِ مدارس بیانیہ

علماء اسلام

اَلْحَمْـدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَـالَمِيْنَ، وَالْعَاقِبَـةُ لِلْمُتَّقِـيْنَ، وَالصَّـلاَةُ وَالسَّـلاَمُ عَلٰـى خَـاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ، أَمَّا بَعْدُ

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

روئے زمین پر 'مساجد' مقدس ترین مقام ہیں[1]، جن کے اوّلین بانی انبیاء کرام ہیں[2]۔ جو مساجد کے قیام اور اس کے قریب رہنے کی تمنا کیا کرتے[3]۔ مساجد کی تعمیر و آباد کاری[4]، عبادت و اذکار[5]، صفائی ستھرائی[6] اور ان کا

---

۱ ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾[آل عمران: ۹۶]
((أَحَبُّ البِلادِ إلى الله مَساجِدُها، وَأَبْغَضُ البِلادِ إلى الله أَسْواقُها))(صحيح مسلم: ۶۷۱)

۲ ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾[آل عمران: ۹۶]
((أَحَبُّ البِلادِ إلى الله مَساجِدُها، وَأَبْغَضُ البِلادِ إلى الله أَسْواقُها))(صحيح مسلم: ۶۷۱)

۳ ﴿رَبَّنَاۤ اِنِّيْۤ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ﴾ [ابراهيم: ۳۷]

۴ أَنَّ عُثمانَ بنَ عَفّانَ، أرادَ بناءَ المَسْجِدِ، فَكَرِهَ النّاسُ ذلكَ، فأحَبُّوا أنْ يَدَعَهُ على هَيْئَتِهِ، فَقالَ: سَمِعْتُ رَسولَ الله ﷺ يقولُ: مَن بَنى مَسْجِدًا لله بَنى اللهُ له في الجَنَّةِ مِثْلَهُ.
(صحيح مسلم: ۵۳۳)

۵ ﴿فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝﴾
[النور: ۳۶ – ۳۷]

۶ ﴿وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾ [الحج: ۲۶]
﴿لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾(التوبة: ۱۰۸)

تحفظ و دفاع کرنا ایمان و تقویٰ کی علامات ہیں[1]۔ مساجد کو گرانا، ان سے روکنا اور ان میں تخریب و فساد کرنا[2] وغیرہ بدترین گناہ ہیں۔

مساجد و مدارس اسلامی تہذیب کی اساس اور دینی شناخت کی علامت ہیں، خصوصاً اسلامی معاشرے کی فکری اور اخلاقی تعمیر کے اصل مراکز بھی ہیں[3]۔ نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین مساجد کی آباد کاری میں غیر معمولی دلچسپی لیا کرتے تھے[4] اور بہت سے اہم ریاستی امور کو مساجد ہی میں طے کیا

---

1 ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَأَقَامَ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَى ٱلزَّكَوٰةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا ٱللَّهَ فَعَسَىٰٓ أُو۟لَٰٓئِكَ أَن يَكُونُوا۟ مِنَ ٱلْمُهْتَدِينَ﴾ [التوبة: ١٨]

((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ في ظِلِّهِ، يَومَ لا ظِلَّ إلَّا ظِلُّهُ: الإمامُ العادِلُ، وشابٌّ نَشَأَ في عِبادةِ رَبِّهِ، ورَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ في المَساجِدِ...)) (صحيح البخاري: ٦٦٠)

2 ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا ٱسْمُهُۥ وَسَعَىٰ فِى خَرَابِهَآ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَن يَدْخُلُوهَآ إِلَّا خَآئِفِينَ ۚ لَهُمْ فِى ٱلدُّنْيَا خِزْىٌ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [البقرة: ١١٤]

﴿وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ ٱللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ﴾ [أنفال: ٢٤]

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ ٱللَّهِ ٱلنَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَٰمِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَٰتٌ وَمَسَٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا ٱسْمُ ٱللَّهِ كَثِيرًا﴾ [الحج: ٤٠]

3 قول ابن تيمية: وكانت مواضع الأئمة، ومجامع الأمة؛ هي المساجد، فإن النبي ﷺ أسس مسجده على التقوى، ففيه الصلاة، والقراءة، والذكر، وتأمير الأمراء، وتعريف العرفاء، وفيه يجتمع المسلمون عنده لما أهمهم من أمر دينهم ودنياهم" (فتاوى ابن تيمية : ٩/ ١٩٦)

4 أبو سعيد الخدري قال: "كُنَّا نَنْقُلُ لَبِنَ المَسْجِدِ لَبِنَةً لَبِنَةً، وَكَانَ عَمَّارٌ يَنْقُلُ لَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ، فَمَرَّ به النبيُّ ﷺ، وَمَسَحَ عن رَأْسِهِ الغُبارَ... (صحيح البخاري: ٢٨١٢)

عبد الله بن عمر أخبر: "أَنَّ المَسْجِدَ كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَبْنِيًّا بِاللَّبِنِ، وَسَقْفُهُ الجَرِيدُ، وَعُمُدُهُ خَشَبُ النَّخْلِ، فَلَمْ يَزِدْ فِيهِ أَبُو بَكْرٍ شَيْئًا، وَزَادَ فِيهِ عُمَرُ: وَبَنَاهُ عَلَى بُنْيَانِهِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّبِنِ وَالجَرِيدِ وَأَعَادَ عُمُدَهُ خَشَبًا، ثُمَّ غَيَّرَهُ

جاتا تھا۔ زوالِ امت کے اس دور میں صحیح معنوں میں یہی ادارے قرآن کی روشنی، سیرت کا پیغام، اتحاد و اخوت کا شعور، کردار سازی کی بنیاد، نوجوان نسل کی تربیت[1] اور معاشرتی استحکام کا سرچشمہ ہیں۔ ان کا وجود صرف مذہبی ضرورت ہی نہیں بلکہ قومی و سماجی بقا کی ضمانت بھی ہے۔ ریاستی سطح پر ان کا تحفظ، آزادی اور معاونت اسلامی تقاضا ہے، جس کے بغیر نہ دین کی بقا ممکن ہے اور نہ ہی معاشرے کی درست سمت میں پیش رفت۔

تاریخ شاہد ہے کہ اسپین میں آٹھ سو سالہ اسلامی تہذیب کے خاتمے اور آنے والی نسلوں کو اسلامی تعلیم سے محروم رکھنے کے لیے مساجد و مدارس کو ہدف بنایا گیا۔ مساجد و مدارس اسلام کے قلعے ہیں۔ ان کے وقار کو برقرار رکھنا ملک و ملت کو مضبوط اور مستحکم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔

ضروری تجاویز

مساجد و مدارس کے استحکام اور تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے چند اہم تجاویز درج ذیل ہیں:

① مساجد میں منظّم انداز سے مرد و خواتین[2] کے لیے تلاوت کلام پاک اور کتاب و سنت کا حفظ و فہم، تعلیم و تربیت اور تزکیۂ نفوس کا اہتمام کروایا جائے[3] اور ابلاغِ دین کا یہ عمل شرع و قانون[4] اور اخلاق و حکمت[5] کے دائرے میں انجام دیا جائے۔ تاکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ مؤثر طریقے سے

عُثْمَانُ فَزَادَ فِيهِ زِيَادَةً كَثِيرَةً: وَبَنَى جِدَارَهُ بِالْحِجَارَةِ الْمَنْقُوشَةِ، وَالْقَصَّةِ وَجَعَلَ عُمُدَهُ مِنْ حِجَارَةٍ مَنْقُوشَةٍ وَسَقَفَهُ بِالسَّاجِ" (صحيح البخاري: ٤٤٦)

١ ((علِّموا أولادَكُمُ الصلاةَ إذا بلَغُوا سبعًا، واضربوهم عليها إذا بلغوا عشْرًا، وفرِّقُوا بينهم في المضاجِعِ)) (صحيح الجامع: ٤٠٢٦، صححه الألباني)

٢ جاءَتِ امْرَأَةٌ إلى رَسولِ اللهِ ﷺ فَقالَتْ: يا رَسولَ اللهِ، ذَهَبَ الرِّجالُ بحَدِيثِكَ، فاجْعَلْ لَنا مِن نَفْسِكَ يَوْمًا نَأْتِيكَ فيه تُعَلِّمُنا ممّا عَلَّمَكَ اللهُ، فَقالَ: اجْتَمِعْنَ في يَومِ كَذا وكَذا في مَكانِ كَذا وكَذا، فاجْتَمَعْنَ، فأتاهُنَّ رَسولُ اللهِ ﷺ، فَعَلَّمَهُنَّ ممّا عَلَّمَهُ اللَّهُ.(البخاري: ٧٣١٠)

٣ ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ [آل عمران: ١٦٤]

٤ ﴿وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ [الجن: ١٨]

٥ ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ

سرانجام دیا جاسکے۔

(۴) مساجد میں ابلاغِ دین کے فریضہ کو ریاستی و حکومتی مخالفت، تقریر و تحریر میں مذہبی و سیاسی منافرت اور فرقہ وارانہ اشتعال [۲] کے بجائے امن و سلامتی، محبت و خیر خواہی اور اخوت و بھائی چارے کو فروغ دینے والے ضابطوں میں لایا جائے کہ یہی مسجد کے اعلیٰ مقاصد اور وجود کا تقاضا ہیں [۳]۔

(۵) مساجد میں اسلام اور آئینِ پاکستان [۴] کے تقاضوں کے مطابق توحید و رسالت، عقیدہ ختمِ نبوت [۵]، مقدس شخصیات اور شعائر اللہ [۶] کے تحفظ و دفاع کو ریاست سے متصادم نہ سمجھا جائے۔ نیز مساجد و مدارس کو ریاست و حکومت کا حریف سمجھنے کے بجائے اسلامی معاشرے کی تعمیر و ترقی کا علم بردار سمجھا جائے اور

عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ [النحل: ۱۲۵]

۱ ﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران: ۱۰٤)

۲ ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ [آل عمران: ۱۰۳]

۳ ﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ﴾ [النور: ۳٦]

۴ کسی بھی مذہب، انبیاء، مقدس شخصیات اور شعائر کی توہین پر پاکستان پینل کوڈ (PPC) کا سیکشن "A-۲۹۵" لاگو ہوتا ہے، جو کوئی بھی آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی شان میں بالواسطہ یا اشارے و کنائے میں گستاخی کرے تو اس پر "C-۲۹۵" لاگو ہوتا ہے اور خاص شخصیات (صحابہ کرام، ازواج مطہرات، اہل بیت اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم) کی توہین کرے تو "A-۲۹۸" کے تحت قانونی کاروائی کی جاتی ہے۔

۵ ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ [الأحزاب: ٤٠]

«أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ، لَا نَبِيَّ بَعْدِي» (سنن أبي داؤد: ٤٢٥٢)

٦ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنْ رَبِّهِمْ وَرِضْوَانًا﴾ [المائدة: ۰۲]

﴿ذَلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ [الحج: ۳۲]

قوله تعالى: ﴿لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ﴾، لأن الله نهى عن استحلال شعائره ومعالم حدوده وإحلالها نهيًا عامًّا (تفسير طبري: ۹/ ٤٦٥)

اس حوالے سے پائی جانے والی بدگمانی کو دور کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے[1]۔

④ اسلام اور آئین پاکستان کی رو سے کسی قادیانی کو خود کو مسلمان ظاہر کرنے، اذان دینے، اسلامی شعائر استعمال کرنے اور اپنی عبادت گاہ کو مسجد کے طور پر منسوب کرنے کی اجازت نہیں[2]۔

⑤ مساجد و مدارس میں پڑھائے جانے والا نصاب حکومت سے منظور شدہ ہے۔ وفاق المدارس کے زیرِ اہتمام چلنے والے تمام ادارے ماہر اساتذہ اور قابل علماء کی زیرِ نگرانی چل رہے ہیں لہٰذا نصابِ تعلیم اور اساتذہ کے بارے میں منفی مہم چلانے والے عناصر کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

⑥ مساجد و مدارس کی خود مختاری یا ان کے دائرہ کار کو محدود کرنے کے لیے کی گئی کسی بھی مالی معاونت کو مستحسن قرار نہیں دیا جاسکتا۔

⑦ حکومت مساجد و مدارس کی زمین، تعمیرات، رجسٹری، نقشہ اور تمام قانونی دستاویزات کے مراحل کو آسان بنائے، قبضے اور تنازعات جیسے معاملات کا تصفیہ حکومتی سرپرستی میں فوراً کروایا جائے۔

⑧ مساجد و مدارس کو عصری جامعات کی طرح آزاد تشخص دیا جائے اور ریاست ایسے ضوابط نافذ نہ کرے جو غیر ضروری پابندیوں کا باعث بنیں یا عبادت و تعلیم کے ماحول میں رکاوٹ پیدا کریں۔

⑨ مسجد کی سیکیورٹی، سی سی ٹی وی، روشنی اور داخلی سہولیات کا مناسب انتظام کیا جائے، خصوصاً شہری علاقوں میں حفاظتی انتظامات جدید تقاضوں کے مطابق ہوں۔

⑩ ملک بھر میں مساجد و مدارس کی سیکیورٹی کے لیے مستقل نیشنل پروٹیکشن فریم ورک ترتیب دیا جائے جس میں سیکیورٹی، نگرانی، لائسنسنگ، رجسٹریشن اور تنازعات کے حل کے لیے واضح اور آسان اصول طے کیے جائیں۔

⑪ ملک بھر میں قائم مساجد و مدارس سے وابستگی رکھنے والے کسی شخص کی منفی سرگرمی کی وجہ سے مساجد و مدارس کے خلاف منفی مہم جوئی درست نہیں۔ کسی بھی مشکوک شخص کی تفتیش کے راستے میں دینی

---

۱ ((إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الحَدِيثِ)) (صحيح البخاري : ٦٧٢٤)

۲ اگر کوئی قادیانی خود کو مسلمان ظاہر کرے یا اپنے مذہب کی تبلیغ یا تشہیر کرے، اذان دے، اسلامی شعائر استعمال کرے، صحابہ کے القابات اپنے لیے استعمال کرے یا اپنی عبادت گاہ کو مسجد سے منسوب یا موسوم کرے تو اس پر پاکستان پینل کوڈ (PPC) کا سیکشن "B&C-۲۹۸" لاگو ہوتا ہے۔

اداروے حائل نہیں، تاہم تفتیش اور احتساب کے لیے ماورائے عدالت اقدامات کی بجائے عدالتی راستے کو اختیار کیا جائے۔

⑫ مساجد اور دینی مدارس کے خلاف جھوٹے پراپیگنڈے اور میڈیا کی منفی مہمات کی مؤثر روک تھام کے لیے مختلف دینی جماعتوں کے نمائندہ اہل علم کا ایک تھنک ٹینک ترتیب دیا جائے جو ٹھوس حقائق اور مثبت پیغام رسانی کے ذریعے کا تدارک اور غلط فہمیوں کا ازالہ کرے۔

⑬ بجلی، پانی، گیس اور دیگر یوٹیلٹی بلوں میں مساجد و مدارس کو خصوصی سبسڈی دی جائے تاکہ عبادت گاہوں کا مالی بوجھ کم ہو اور انتظامی امور آسانی کے ساتھ سرانجام پائیں۔

⑭ مساجد کی انتظامیہ امن، محبت، اخوت، رواداری اور خیر خواہی کے اسلامی اصولوں کو فروغ دینے کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔

⑮ مساجد و مدارس کی انتظامیہ کو چاہیے کہ امام، خطیب، مؤذن اور اساتذہ کے معاشی معاملات مستحکم کرے، انہیں ایسا معقول وظیفہ دیا جائے کہ وہ فکری اور معاشی اضطراب سے بے نیاز ہو کر دین کی خدمت پر پوری توجہ دے سکیں۔

⑯ دینی مدارس کے تعلیمی نصاب، دستاویزات اور امتحانی معیارات کو جدید تقاضوں کے مطابق مزید بہتر بنانے کے لیے وفاق المدارس اور ذمہ دار علماء اپنا کردار ادا کریں۔

⑰ دینی مدارس میں ٹیکنیکل اسکلز، کمپیوٹر تعلیم اور زبانوں کے کورسز کے لیے ماہرین تعلیم کی زیر نگرانی خصوصی پروگرام تیار کیے جائیں تاکہ فارغ التحصیل طلبہ معاشی میدان میں باعزت شرکت کر سکیں۔

⑱ شہر کی تمام سوسائٹیز میں مساجد و مدارس کی تعمیر میں تمام سنی مکاتب فکر کو مساوی حقوق دیے جائیں۔ اسی طرح تمام حکومتی اداروں میں تمام مسالک کو یکساں نمائندگی دی جائے۔ تاکہ فرقہ وارانہ مسائل سر نہ اٹھا پائیں۔

داعیان

علامہ ابتسام الٰہی ظہیر (چیئرمین قرآن وسنہ پاکستان)
ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی (وائس چیئرمین قرآن وسنہ پاکستان)
ڈاکٹر حافظ شفیق الرحمن زاہد (چیئرمین قرآن وسنہ پنجاب)
مولانا محمد شفیق مدنی (مفتی جماعت پاکستان)
ڈاکٹر نصیر احمد اختر (سرپرست تنظیم الاساتذہ)
ڈاکٹر حافظ انس نضر (ناظم دعوت وتبلیغ پاکستان)

قسط (۱۲)

شرح کتاب التوحید (صحیح بخاری)

افادات: ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی
ترتیب: حافظ عبد الرحمن عزیز

بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾ [النساء: ١٣٤]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بہت سننے والا، بہت دیکھنے والا ہے۔"

امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ باب میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات سمیع اور بصیر کو دلائل سے ثابت کیا ہے اور ان لوگوں کا رد کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے منکر ہیں یا لفظ سمیع و بصیر کو مانتے ہیں لیکن عملی صفات کا انکار کرتے ہیں۔ ان دونوں ناموں کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی سمع (سننا) اور بصر (دیکھنا) جیسی صفاتِ ذاتیہ کے اثبات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

قرآن مجید میں السمیع کا لفظ ۴۴ مرتبہ آیا ہے۔ جن میں سے ۳۱ مرتبہ علیم کے ساتھ مل کر اور ۱۱ بار بصیر کے ساتھ مل کر۔ ایک مرتبہ سمیع الدعاء (مضاف مضاف الیہ) اور ایک ہی بار لفظ قریب کے ساتھ مل کر ﴿سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ﴾ آیا ہے۔

دوسری صفت البصیر، قرآن مجید میں ۴۱ مرتبہ آئی ہے۔ دوسری صفات کے ساتھ مل کر بھی اور بندوں کے اعمال کی طرف مضاف ہو کر بھی۔

یہ دونوں معنوی اور عقلی صفات کہلاتی ہیں۔ صفات معنویہ اور عقلیہ میں سات صفات آتی ہیں: حیات، قدرت، علم، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔

سمع و بصر تکمیل اور خوبی ہے جبکہ سمع و بصر سے خالی ہونا نقص ہے۔ اسی لیے ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے بتوں سے متعلق بات کرتے ہوئے انہی نقائص کی طرف اشارہ کیا تھا، فرمایا:

﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا﴾ [مریم: ٤٢]

"جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا: ابا جان! آپ ایسی چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں اور نہ تمہارے کسی کام آسکتی ہیں۔"

کان اور آنکھوں کا اثبات

سمع و بصر کان اور آنکھ کے افعال ہیں، کتاب و سنت میں اللہ تعالیٰ کے لیے عین (آنکھ) اور اذن (کان) کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں، ارشاد فرمایا:

﴿ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا ﴾ [هود: ٣٧]

"اور ہماری آنکھوں کے سامنے ایک کشتی بناؤ۔"

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَذِنَ اللهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهِ»[1].

"اللہ تعالیٰ کسی بات کے لیے اس قدر کان نہیں لگاتا جس قدر وہ نبی کی طرف کان لگاتا ہے جب وہ خوب صورت /بلند آواز سے قرآن پڑھتا ہے۔"

حَدَّثَنِي أَبُو يُونُسَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقْرَأُ هَذِهِ الْآيَةَ: ﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا — إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴾[النساء: ٥٨] فَيَضَعُ إِبْهَامَهُ عَلَى أُذُنِهِ وَالَّتِي تَلِيهَا عَلَى عَيْنِهِ وَيَقُولُ: هَكَذَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَؤُهَا وَيَضَعُ أُصْبُعَيْهِ[2].

"ابو یونس بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ آپ نے آیت کریمہ ﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ... ﴾ پڑھتے ہوئے سَمِيعًا بَصِيرًا پر اپنے انگوٹھے اپنے کانوں پر اور ساتھ والی انگلیاں اپنی آنکھوں پر رکھیں، پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے اپنی انگلیاں (کان اور آنکھ پر) رکھتے دیکھا ہے۔"

یعنی نبی ﷺ نے اللہ کے سمیع ہونے سے مراد اللہ کے کان اور بصیر ہونے سے آنکھ مراد لی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سمیع و بصیر ہونے کا انکار

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کان کی جھلی سے آواز کا ٹکرانا سمع ہے، اور آنکھ کی شعاع کا مقابل کی چیز پر پڑنے اور ریفلکٹ ہونے کا نام بصر ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی چیزوں کا ثابت کرنا اس کی شان کے خلاف ہے،

---

1 صحیح بخاری: ۷۵۴۴

2 سنن أبي داود: ٤٧٢٨، التوحيد لابن خزيمة: ١/ ٩٨، و اللفظ له

اس لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے سمع وبصر کا انکار کر دیا۔

کائنات کی تخلیق وسائل اور ذرائع پر کی گئی ہے، سننے اور دیکھنے کا یہ سسٹم دراصل مخلوق کے لیے ہے، تاکہ وہ اس کو سمجھ سکے اور اگر ان میں خرابی پیدا ہو تو اس کا علاج کر سکے۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے یہ سمجھنا کہ خالق بھی ایسے ہی سنتا اور دیکھتا ہے یا وہ بھی سننے اور دیکھنے کے لیے ان چیزوں کا محتاج ہے، قطعاً غلط ہے۔ باقی رہا کہ وہ کیسے سنتا اور دیکھتا ہے تو ہم کہیں گے کہ جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔

اللہ کے سمیع وبصیر ہونے کی تاویل

بعض لوگ ان صفاتِ الٰہیہ کی تاویل کرتے ہیں کہ سمع وبصر سے مراد سننا اور دیکھنا نہیں، بلکہ کسی چیز کے متعلق علم رکھنا ہے۔ یہ بات بھی قطعاً غلط ہے، کیونکہ اندھا بھی جانتا ہے کہ کائنات میں رنگ ہیں، دن روشن اور رات تاریک ہوتی ہے، لیکن دیکھ نہیں سکتا۔ بہرہ جانتا ہے کہ کائنات میں آوازیں ہیں، لیکن سنتا نہیں ہے۔ جاننے کے باوجود اندھا اور بہرہ ہونا نقص ہے، لہٰذا سمیع وبصیر کا معنیٰ جاننا کریں تو یہ اللہ کے لیے نقص ہو گا۔

یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لیے خاص نہیں ہیں بلکہ مخلوقات کے لیے بھی ثابت ہیں، ارشاد گرامی ہے:

﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ [الإنسان: ٢]

"ہم نے انسان کو (مرد اور عورت کے) مخلوط نطفہ سے پیدا کیا جسے ہم الٹ پلٹ کرتے رہے پھر اسے سننے اور دیکھنے والا بنا دیا۔"

یہ صفات اللہ کے لیے ثابت ہوں گی تو اس کی ذاتی اور اس کی شان کے مطابق ہوں گی، جب انہیں مخلوق کے لیے ثابت مانیں گے تو مخلوق اور عطائی ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ عرش معلیٰ پر ہونے کے باوجود ہر چیز کو دیکھتا اور ہر آواز کو سنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ﴾ [سبأ: ٥٠]

"وہ یقیناً سب کچھ سننے والا ہے اور قریب ہے۔"

اسی بات کو ثابت کرنے کے لیے امام بخاری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی موقوف روایت معلقاً لائے ہیں:

وَقَالَ الْأَعْمَشُ، عَنْ تَمِيمٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَسِعَ سَمْعُهُ الْأَصْوَاتَ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿قَدْ سَمِعَ اللهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا﴾ [المجادلة: ١]

"امام اعمش، سیدنا تمیم سے، وہ عروہ سے وہ سیدہ عائشہؓ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: تمام

تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس کی سماعت ہر قسم کی آواز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ (پھر خولہ بنت ثعلبہ کا قصہ بیان کیا)، جس پر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿قَدْ سَمِعَ اللهُ قَوْلَ..﴾ "یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے شوہر کے متعلق آپ سے جھگڑ رہی تھی۔"

یہ معلق روایت ہے کیونکہ اعمش (ابن سلمہ الکوفی) صغیر تابعی ہیں، امام بخاری براہ راست ان کے شاگرد نہیں ہیں، یعنی امام بخاری نے اپنے اور اعمش کے درمیان کی سند کو حذف کر دیا ہے۔ البتہ احمد، نسائی اور ابن ماجہ نے اسے موصول اور پورے سیاق سے بیان کیا ہے۔

أَخْبَرَنَا إِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: أَنْبَأَنَا جَرِيرٌ، عَنْ الْأَعْمَشِ، عَنْ تَمِيمِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَسِعَ سَمْعُهُ الْأَصْوَاتَ، لَقَدْ جَاءَتْ خَوْلَةُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشْكُو زَوْجَهَا، فَكَانَ يَخْفَى عَلَيَّ كَلَامُهَا، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا﴾ [المجادلة: ١][1].

"سیدہ عائشہ فرماتی ہیں: تمام تعریفیں اللہ کی ہیں، جس کی سماعت تمام آوازوں کو محیط ہے۔ بلاشبہ سیدہ خولہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے خاوند کا شکوہ کیا، (میں اسی کمرے میں ہونے کے باوجود) ان دونوں کی بات مجھے سنائی نہ دی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا: ﴿قَدْ سَمِعَ اللهُ قَوْلَ..﴾ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس خاتون کی بات سن لی جو اپنے شوہر کے معاملے میں آپ سے بحث کر رہی تھی اور اللہ کے سامنے (اپنے مسئلہ کا) شکوہ کر رہی تھی اور اللہ تعالیٰ آپ دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔"

اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت سمع کا اثبات ہے۔

٧٣٨٦ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَكُنَّا إِذَا عَلَوْنَا كَبَّرْنَا، فَقَالَ: ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ، فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا قَرِيبًا»، ثُمَّ أَتَى عَلَيَّ وَأَنَا أَقُولُ فِي نَفْسِي: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ،

---

1 سنن النسائی: ٣٤٦٠

فَقَالَ لِي: يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ قَيْسٍ، قُلْ لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ ، فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الجَنَّةِ، - أَوْ قَالَ أَلاَ أَدُلُّكَ بِهِ .

"ہمیں سلیمان بن حرب نے بیان کیا، کہا ہمیں حماد بن زید نے بیان کیا، انہیں ایوب سختیانی نے، انہیں ابو عثمان نہدی نے اور انہیں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ جب ہم بلندی پر چڑھتے تو بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! اپنے آپ پر رحم کرو! اللہ بہرا نہیں ہے اور نہ وہ دور ہے۔ تم بہت سننے، بہت واقف کار اور قریب رہنے والی ذات کو پکار رہے ہو۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے۔ میں اس وقت دل میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہہ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: اے عبد اللہ بن قیس! لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہا کرو کہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں (جنت کے خزانے کے متعلق) نہ بتادوں؟ (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے کا حکم دیا)"۔

شرح الحدیث

"اربعوا" کا مطلب ہے: نرمی کرو، آہستہ بولو۔

صحابہ کرام سفر میں بلندی پر چڑھتے ہوئے بلند آواز سے تکبیرات پڑھ رہے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ آواز میں ذکر کرنے کا حکم دیا، اور ساتھ فرمایا: تمہارا رب بہرا اور غائب نہیں کہ تم اسے اتنے زور زور سے پکار رہے ہو، وہ تو سمیع قریب ہے، لہٰذا آہستہ آواز میں اس کا ذکر کرو۔

اللہ تعالیٰ نے نماز کے حوالے سے بھی یہی تعلیم دی ہے، فرمایا:

﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝﴾ [الإسراء: ١١٠]

"اور اپنی نماز نہ زیادہ بلند آواز سے پڑھ نہ بالکل پست، بلکہ درمیانہ انداز اختیار کیجئے۔"

مزید اللہ تعالیٰ حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعہ میں دعا کے آداب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۝﴾ [مریم: ٣]

"جب زکریا نے اپنے پروردگار کو چپکے چپکے پکارا۔"

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ آواز میں ذکر کرنے کا حکم دیا تو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ دل میں لا حول و لا قوۃ الا باللہ پڑھنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے عبد اللہ بن قیس!

لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کرو، بلاشبہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ہے۔ یہاں پر یہ حدیث لانے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ جو دل میں ذکر کر رہے تھے اللہ تعالیٰ نے اسے سن کر اس کی فضیلت کے حوالے سے اپنے رسول پر وحی نازل فرما دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بے پناہ سماعت کی دلیل ہے۔

« أَوْ قَالَ أَلاَ أَدُلُّكَ بِهِ »

یعنی دوسری سند میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں جنت کے خزانے کی خبر نہ دوں؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ ذکر اور اس کی فضیلت بتائی۔

حدیث سے کئی فوائد ملتے ہیں:

① سفر میں ذکر الٰہی پر مداومت اختیار کرنی چاہیے۔

② اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ بلند آواز سے نہیں کرنا چاہیے بلکہ نارمل انداز میں کرنا چاہیے۔

③ بلندی پر چڑھتے ہوئے اللہ اکبر اور دوسری حدیث کے مطابق نیچے اترتے ہوئے سبحان اللہ کہنا چاہیے۔

④ لاحول ولا قوۃ الا باللہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

۷۳۸۷-۷۳۸۸ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنْ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي الخَيْرِ، سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا رَسُولَ اللهِ ، عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُو بِهِ فِي صَلاَتِي، قَالَ: «قُلِ:اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا، وَلاَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، فَاغْفِرْ لِي مِنْ عِنْدِكَ مَغْفِرَةً ، إِنَّكَ أَنْتَ الغَفُورُ الرَّحِيمُ».

"ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے بیان کیا، کہ مجھے ابن وہب نے بیان کیا، کہ مجھے عمرو نے یزید کے واسطے سے خبر دی، انہیں ابو الخیر نے، انہوں نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے سنا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے کہا: یا رسول اللہ! مجھے دعا سکھائیں جو میں اپنی نماز میں کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ پڑھا کرو: (جس کا ترجمہ یہ ہے:) "اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور تیرے سوا گناہوں کو اور کوئی نہیں بخشتا۔ اپنی جناب سے میرے گناہ بخش دے۔ بلاشبہ آپ بڑے مغفرت کرنے والے، بڑا رحم کرنے والے ہیں"۔

لطائف الاسناد

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے، ساری زندگی سفر وحضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ اس کے باوجود ان کی روایت کردہ محض پانچ احادیث ہم تک پہنچی ہیں۔ منکرین حدیث نے اس کی بنیاد پر کہنا شروع کر دیا ہے کہ اگر احادیث شریعت کی بنیاد ہوتی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ اتنی تھوڑی احادیث کیوں بیان کرتے؟ اس کی وجہ بڑی سادی ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو عرب قبائل نے بغاوت کر دی، بعض نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا، اس کے علاوہ جھوٹی نبوت کے دعوے دار اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رحمہ اللہ پہلے دن سے ہی ان شورشوں اور بغاوتوں کا قلع قمع کرنے میں لگ گئے اور صرف اڑھائی سال بعد آپ کی وفات ہو گئی۔ یعنی حالات نے آپ کو روایت حدیث کا زیادہ موقع نہیں دیا۔

شرح الحدیث

اس حدیث میں تشہد کے آخر پر سلام پھیرنے سے پہلے ایک دعا پڑھنے کا تذکرہ ہے۔ یہ موقع دعا کی قبولیت کا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثُمَّ يَتَخَيَّرُ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ، فَيَدْعُو [1].

"(تشہد پڑھے) پھر جو دعا اسے پسند ہو وہ کرے۔"

احادیث مبارکہ میں اس موقع کے لیے بہت سی دعائیں وارد ہیں، ان میں ایک دعا یہ ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے:

اس دعا میں غور طلب بات یہ ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے عظیم المرتبت شخصیت ہیں۔ ان کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: تمہیں جنت کے آٹھوں دروازوں سے بلایا جائے گا"[2]۔ اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جو دعا سکھائی اس میں ہے (إني ظَلَمتُ نفسي ظلماً كثيرا) "میں نے بہت زیادہ اپنی جان پر ظلم کیا ہے"۔ اگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گناہوں کو زیادہ کہا گیا ہے تو ہمارے حالت کیا ہو گی؟ اس لیے کبھی گناہ کو معمولی اور حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔

---

۱ صحیح بخاری: ۸۳۵

۲ صحیح بخاری: ۱۸۹۷، صحیح مسلم: ۱۰۲۷

حدیث کا باب سے تعلق

اعتراض کیا گیا کہ اس حدیث کا تعلق باب (اللہ کی سمع و بصر) سے نہیں ہے۔ لیکن غور کریں تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی باریک فہمی کو داد دینی پڑے گی، زیر بحث حدیث کا کئی وجوہ سے مذکورہ باب سے تعلق ہے:

⑤ جب کوئی شخص اللہ کو مخاطب کر کے دعا مانگتا ہے، تو پہلے وہ اللہ کے سمیع و بصیر ہونے کا اقرار کرتا ہے۔

⑥ نماز میں دعائیں آہستہ پڑھی جاتی ہیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کا سمیع و بصیر ہونا از خود ثابت ہو جاتا ہے۔

⑦ امام ابن بطال نے جواب دیا کہ:

اس دعا کا سکھانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا کو سنتا ہے اور اس پر جزا دیتا ہے۔

⑧ بعض نے کہا:

دعا کی قبولیت سمع و بصر پر موقوف ہے۔

⑨ کرمانی نے کہا:

جب بعض گناہ سنے اور بعض دیکھے جاتے ہیں تو ان کی مغفرت سمع و بصر کے بعد ہی ممکن ہے۔

نبی ﷺ کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دعا سکھانا اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ سمیع و بصیر ہے، دعا کرنے والے کو دیکھتا اور اس کی فریاد کو سنتا ہے۔

⑩ ایک اور قول ہے:

جب ہم کسی سے بات کریں، تو لازماً وہ سننے اور دیکھنے والا ہو، ورنہ یہ کلام بے فائدہ ہو گا۔ لہٰذا یہ دعا بھی اللہ کے سمع و بصر پر دلالت کرتی ہے[1]۔ واللہ اعلم

٧٣٨٩- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، حَدَّثَنِي عُرْوَةُ، أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، حَدَّثَتْهُ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَادَانِي قَالَ: إِنَّ اللهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ.

"عبد اللہ بن یوسف نے ہمیں بیان کیا، کہ ابن وہب نے ہمیں خبر دی، کہ مجھے یونس نے ابن شہاب سے خبر دی، کہ مجھے عروہ نے بتایا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جبرئیل

---

١ المختصر من شرح کتاب التوحید از علامہ عبد الحق ہاشمی: ٥٠

نے مجھے پکار کر کہا کہ اللہ نے آپ کی قوم کی بات اور جو انہوں نے آپ کو جواب دیا سن لیا ہے"۔

شرح الحدیث

جب اہل طائف نے نبی کریم ﷺ کی بات سننے سے انکار کر دیا اور آپ پر ظلم کیا تو جبریل علیہ السلام ملک الجبال کے ساتھ حاضر ہوئے اور کہا:

إِنَّ اللهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ، وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ، وَقَدْ بَعَثَ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ [1].

"بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا جواب سن لیا ہے اور آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے، آپ جو چاہیں ان کے متعلق حکم دیں، (وہ تعمیل کرے گا)۔"

امام کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ان احادیث کو اس باب میں لانے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی سمع اور بصر (سننے اور دیکھنے) کی صفات کو ثابت کرنا ہے۔ یہ دونوں قدیم اور اللہ کی صفاتِ ذات میں سے ہیں۔ جب کوئی سنی یا دیکھی جانے والی چیز پیدا ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ کی یہ صفات اس پر متعلق ہو جاتی ہیں۔ لیکن معتزلہ (فرقہ) نے دعویٰ کیا کہ یہ دونوں صفات حادث (نئی پیدا کی گئی) ہیں، مگر قرآن وحدیث کی ظاہری نصوص ان کا رد کرتی ہیں۔"

فوائد

① سمع وبصر اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات میں سے ہیں۔

② یہ صفات مخلوق کو بھی حاصل ہیں، لیکن اللہ کی یہ صفات اس کی ذات کا حصہ ہیں، جبکہ مخلوق کی یہ صفات عطائی اور مخلوق ہیں۔

③ قرآن وحدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے ان دونوں صفات کا کثرت سے استعمال ہوا ہے۔

④ اللہ تعالیٰ کے لیے کان اور آنکھ کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔

⑤ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ کہنا کہ وہ بھی سمع وبصر کے لیے کانوں اور آنکھوں کا محتاج ہے، قطعاً غلط ہے۔

⑥ بہت بلند آواز سے دعا نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ دعا کا ادب یہ ہے کہ سرگوشی کے انداز میں کی جائے۔

---

1 السنن الكبرى للنسائي (٧/ ١٤٤):٧٦٥٩، المعجم الأوسط (٨/ ٣٧٠):٨٩٠٢

غیر مسلموں کی عیدوں پر ان کو مبارکباد دینا

مرتب: حافظ خضر حیات

سوال ہم بلادِ کفر میں رہتے ہیں، اور غیر مسلموں کے ساتھ میل جول رہتا ہے، ہمسائے ہوتے ہیں، تعلیمی اداروں میں کولیگ ہوتے ہیں، استاذ و شاگرد کا تعلق ہوتا ہے، ایک ہی کمپنی یا آفس میں کام کرتے ہیں، اسی طرح ڈاکٹر اور مریض کا تعلق ہوتا ہے۔ یہ لوگ ہمارے ساتھ بڑے حسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں اور ہماری خوشی و غمی کے مواقع پر ہمارے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ کیا اس حسن سلوک کے بدلے میں ہم بھی انہیں ان کے تہواروں اور عیدوں (کرسمس، دیوالی وغیرہ) کے موقع پر مبارکباد یا نیک جذبات کا اظہار کر سکتے ہیں؟ کیونکہ اسلام ہمیں حسنِ اخلاق کا درس دیتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن و سنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

جواب

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

اسلام ایک عزت و شرف والا دین ہے، جس کی مستقل پہچان ہے، جس میں دیگر ادیانِ باطلہ سے نفرت اور بیزاری بطور عقیدہ ولاء و براء کے شامل ہے، کیونکہ توحیدِ باری تعالیٰ اور نبوتِ محمدیہ کا انکار کرنا بہت بڑا جرم ہے، لہٰذا جو اللہ اور رسول کا دشمن ہے، ایک مسلمان کی اس کے ساتھ دوستی کیونکر ہو سکتی ہے! ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ عَدُوِّى وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ ﴾ [الممتحنة: ١]

”اے ایمان والو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ“۔

اسی طرح فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ۝٥١ ﴾ [المائدة: ٥١]

”اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو شخص ان سے دوستی کرے گا وہ انہی میں سے ہے۔ بے شک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا“۔

مزید فرمایا:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقٰىةً﴾ [آلِ عمران: ۲۸]

"ایمان والے کافروں کو مؤمنوں کے بجائے اپنا دوست نہ بنائیں۔ اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، مگر یہ کہ تم ان (کے ظلم) سے بچنے کے لیے احتیاط کرو"۔

غیر مسلم عزیز رشتہ دار بھی ہوں تو ان سے محبت و مودت رکھنا درست نہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ﴾ [المجادلة: ۲۲]

"تم کبھی ایسے لوگ نہ پاؤ گے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور وہ ان لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں، خواہ وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی یا قبیلہ ہی کیوں نہ ہو"۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لیے جس طرح اہل اسلام کے ساتھ محبت و مودت رکھنا ضروری ہے، اسی طرح اہل کفر سے نفرت و بیزاری بھی ضروری ہے۔ غیر مسلموں کے تہواروں میں شرکت، اس پر خوشی کا اظہار یا انہیں مبارکباد دینا یہ بھی محبت و مودت کی ایک صورت ہے جو کہ بالکل ناجائز ہے۔ اسی طرح یہ ان کے باطل عقائد و نظریات میں ان کی حمایت کی بھی ایک قسم ہے، جس سے اس کی شاعت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

اہل کفر کی رسوم و رواج کے حوالے سے بالخصوص ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ﴾ [الفرقان: ۷۲]

"اور اللہ کے بندے باطل باتوں میں شریک نہیں ہوتے"۔

کئی ایک سلف صالحین اور مفسرین نے یہاں "الزور" کی تفسیر کفار کے مذہبی تہواروں میں شرکت بھی بیان کی ہے کہ اہل ایمان ان میں شرکت نہیں کرتے۔[1]

شرکت کی نفی سے مراد کسی بھی قسم کی شرکت ہے، جیسا کہ براہ راست اس میں شریک ہونا، ان کے ساتھ تعاون کرنا، مبارکباد دینا، خوشی کا اظہار کرنا وغیرہ، گویا اہل ایمان کی یہ شان ہے کہ وہ ان رسوم و رواج میں کسی بھی طرح شامل نہیں ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین نے ان باتوں کا سختی سے رد کیا ہے، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

1　ملاحظہ فرمائیں: تفسیر ابن کثیر: ۵/ ۶۱۴ وموسوعة التفسير المأثور: ۱۶/ ۱۹۸

اجْتَنِبُوا أَعْدَاءَ اللهِ فِي عِيدِهِمْ.[1]

"اللہ کے دشمنوں کی عیدوں سے بچو"۔

امام مالکؒ وغیرہ اہل علم کا فتویٰ ہے کہ کافروں کے ساتھ ان کی عیدوں کے موقع پر کسی بھی قسم کا تعاون کرنا، حتیٰ کہ کاروباری معاملات کرنا جیسا کہ انہیں گوشت، سالن، کھانا پینا، کپڑا، سواری وغیرہ کسی بھی قسم کی چیز فروخت نہ کی جائے۔[2]

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اہل علم کا اتفاق نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

وأمّا التهنئة بشعائر الكُفر المُختصَّة بِه: فحرامٌ بالاتفاق، مثل أن يهنئهم بأعيادهم وصومهم، فيقول: عيد مبارك عليك ، أو تهنّأ بهذا العيد ونحوه، فهذا إن سلم قائله من الكفر فهو من المحرمات وهو بمنزلة أن يهنئه بسجوده للصليب بل ذلك أعظم إثماً عند الله ، وأشد مقتاً من التهنئة بشرب الخمر وقتل النفس، وارتكاب الفرج الحرام ونحوه ، وكثير ممن لا قدر للدين عنده يقع في ذلك ، ولا يدري قبح ما فعل ، فمن هنّأ عبداً بمعصية أو بدعة ، أو كفر فقد تعرض لمقت الله وسخطه.[3]

"کفریہ تہواروں اور رسومات پر مبارکباد دینا بالاتفاق حرام ہے جیسا کہ عید یا روزہ پر مبارکباد دینا، ایسا شخص اگر کفر سے بچ بھی گیا، تو حرام کا ضرور مرتکب ہو گا، کیونکہ یہ ایسے ہی ہے کہ کسی صلیب کے سامنے سجدہ کرنے پر مبارکباد دی جائے۔ یہ اللہ کے ہاں شراب نوشی، قتل اور بدکاری سے بھی بڑا گناہ ہے، جن لوگوں کے ہاں دین کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی وہ ان معاملات کی قباحت سے بے خبر ہو کر ان میں مبتلا ہو جاتے ہیں، حالانکہ کسی کو نافرمانی یا بدعت پر مبارکباد دینا اللہ کی ناراضی کو دعوت دینا ہے"۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ کرسمس، دیوالی وغیرہ تہواروں میں شرکت اور اس میں معاونت تو دور کی بات، ان کی مبارکباد دینا بھی درست نہیں ہے۔

---

۱ السنن الكبرى للبيهقي:١٨٨٦١

۲ ملاحظہ فرمائیں:المَدخَل لابن الحاج المالكي:٢/ ٤٧-٤٨

۳ أحكام أهل الذّمة:١/ ٢٠٥

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قد شَرَط عليهم أمير المؤمنين عمر بن الخطاب، والصحابة، وسائر أئمة المسلمين: أنْ لا يُظهروا أعيادهم في دار المسلمين، وإنَّما يعملونها سِرًّا في مساكنهم، فكيف إذا أظهرَها المسلمون أنفسهم؟.[1]

"امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کے عہد سے لیکر دیگر مسلمان حکمرانوں نے ذمی کافروں پر یہ شرط لگائی تھی کہ وہ اپنے رسوم ورواج اور عبادات کو خفیہ رکھیں گے اور اس کا اعلانیہ اظہار نہیں کریں گے، لہٰذا یہ کتنی سنگین بات ہوگی کہ مسلمان بذات خود ان کفریہ شعائر کا اظہار کرنا شروع کردیں!"۔

جہاں تک یہ بات ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا تو اس حوالے سے شریعت نے کافروں کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

حربی ومعاند کافر اور غیر حربی امن پسند کافر۔ دونوں کا الگ الگ حکم بیان فرمایا ہے۔

امن پسندوں کے بارے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ﴾ [الممتحنة: ٨]

"اللہ تمہیں ان لوگوں سے بھلائی اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کرتے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالتے"۔

جبکہ معاند کافروں کے بارے فرمایا:

﴿اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ﴾ [الممتحنة: ٩]

"اللہ تمہیں ان لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے جو تم سے دین کے معاملے میں لڑے، تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا، یا تمہارے نکالنے میں دوسروں کی مدد کی"۔

ان آیات سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ امن پسند کافروں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے طریقے سے رہنا

---

1 مجموع الفتاوی: ٢٥/ ٣٣١

جائز ہے، لہٰذا دنیاوی معاملات کے اندر ان کے ساتھ خیر و بھلائی کا معاملہ کرنا اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اگر ان کے قبول اسلام کی امید ہے تو یہ مستحسن امر ہے، اسی طرح اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرتے ہیں تو مقابلے میں ان سے بہترین معاملہ کرنا، اسلام اس کی ترغیب دیتا ہے۔

لیکن ان سب چیزوں کا تعلق دنیاوی معاملات میں تعامل کے ساتھ ہے، مذہبی اور دینی معاملات میں شریعت کی طرف سے ایک فیصد بھی گنجائش نہیں ہے، جیسا کہ اوپر سلف صالحین اور علماء سے نقل کیا گیا کہ ان کے رسومات اور تہواروں میں شرکت، تعاون اور مبارکبادی بالاتفاق حرام اور ممنوع ہے۔

خیر سگالی اور رواداری دنیاوی معاملات میں ہو سکتی ہے، لیکن دینی معاملات میں اگر کوئی کافر ہماری عید کے موقع پر ہمیں مبارکباد دے تو بدلے میں اسے مبارکباد دینا درست نہیں، بالکل اسی طرح اگر کوئی کافر ہماری عید نماز پڑھے تو بدلے میں ہم ان کی عبادت میں شریک نہیں ہوں گے، کوئی کہے کہ میں تمہاری مسجد میں آتا ہوں، تم میرے معبد خانے میں آؤ، اس قسم کی رواداری کی شریعت میں بالکل گنجائش نہیں، کیونکہ اسلام دین حق ہے، جس کے اپنی مبادیات اور ثوابت ہیں، یہ کوئی کاروبار یا بزنس نہیں ہے کہ تم ہم سے خرید و فروخت کرو، ہم تم سے خریدیں گے۔

اس قسم کی سوچ ان لوگوں کی ہوتی ہے جنہیں اسلام کے دین حق ہونے میں شرح صدر نہیں ہے، لہٰذا وہ عقائد و عبادات کے معاملے میں قرآن و سنت کے دلائل اور سلف صالحین کے تعامل کے ساتھ کھڑے ہونے کی بجائے غیروں سے مرعوب ہو کر اس سطح پر آجاتے ہیں کہ کچھ آپ ہماری مان لیں کچھ ہم آپ کی مان لیتے ہیں۔ دین میں اس قسم کی رواداری وہاں ہو گی جہاں دونوں طرف اہل حق ہوں اور ان میں اختلاف اجتہادی مسائل میں ہو، جہاں دوسری طرف سراسر باطل ہے، وہاں اس قسم کا معاملہ دین اسلام سے انحراف بلکہ خروج کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت پر قائم و دائم رکھے۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

مفتیانِ کرام

فضیلۃ الشیخ مفتی حافظ عبد الستار حماد حفظہ اللہ	فضیلۃ الشیخ مفتی محمد شفیق مدنی حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبد الرحمن یوسف مدنی حفظہ اللہ	فضیلۃ الشیخ قاری عبد الحلیم بلال حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد حفظہ اللہ	فضیلۃ الشیخ مفتی عبد الخالق حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ جاوید اقبال سیالکوٹی حفظہ اللہ	فضیلۃ الشیخ محمد ادریس اثری حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ مفتی عبد الولی حقانی حفظہ اللہ	فضیلۃ الشیخ عبد الحنان سامرودی حفظہ اللہ

غیر مسلم تہواروں پر مبارک باد دینے کا مسئلہ

(یورپین کونسل برائے افتا و تحقیق)

ترجمہ: ڈاکٹر حافظ ابو عمرو

زیرِ نظر مضمون یورپین کونسل برائے افتاو تحقیق کی ایک قرارداد کا ترجمہ ہے جو کونسل کے چھٹے فقہی اجلاس میں منظور کی گئی؛ یہ اجلاس 28 جمادی الاولیٰ تا 3 جمادی الآخرۃ 1421ھ بہ مطابق 28 اگست تا یکم ستمبر 2000ء کو ڈبلن، آئرلینڈ میں منعقد ہوا۔ یہ کونسل معتمد اور ذمہ دار علماو فقہا پر مشتمل فقہی اور تحقیقی ادارہ ہے جن میں ڈاکٹر صہیب حسن جیسے صاحبِ بصیرت اہل علم بھی شامل ہیں۔ ماضی میں محدث حافظ ثناء اللہ مدنی بھی اس کے رکن رہے ہیں۔ ان ثقہ علما کا اشتراک اس بات کی ضمانت ہے کہ کونسل کی جانب سے پیش کی جانے والی آرا علمی تحقیق اور فقہی تدبر پر مبنی ہیں۔ یہ مضمون بالخصوص ان خطوں کے مسلمانوں کے لیے رہ نمائی فراہم کرتا ہے، جہاں وہ غیر مسلم معاشروں میں اقلیت کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور معاشرتی معاملات میں روز مرہ کی سطح پر غیر مسلم اکثریت سے ان کا تعامل ناگزیر ہے۔ ایسے ماحول میں دینی احتیاط، فقہی بصیرت اور حکیمانہ توازن کے ساتھ مسائل کا حل پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی پس منظر میں یہ تحریر ایک معتبر فقہی نقطۂ نظر کے طور پر پیش کی جارہی ہے تاکہ اہل علم و نظر اس پر غور و فکر کر سکیں اور زمان و مکان اور عرف کی تبدیلیوں کی بنا پر شرعی احکام کے اطلاق میں متنوع آرا کی تفہیم کر سکیں۔ (ادارۂ محدث)

یہ مسئلہ بلاشبہ نہایت اہم اور نازک ہے، خاص طور پر اُن مسلمانوں کے لیے جو مغربی ملکوں میں رہتے ہیں۔ مجلسِ علمیہ کو اس بارے میں ان بھائی بہنوں کی طرف سے جو یورپ کے مختلف خطوں میں آباد ہیں اور جنھیں روز مرہ کی زندگی میں غیر مسلموں سے واسطہ رہتا ہے، متعدد سوالات موصول ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ بعض تعلقات ناگزیر ہیں جیسے: رشتہ داری، سسرالی نسبت، ہمسائیگی، رفاقتِ کار یا تعلیم اور درس گاہ کا تعلق۔

بعض مرتبہ مخصوص احوال و ظروف میں ایک مسلمان خود کو غیر مسلم کا احسان مند بھی محسوس کرتا ہے، مثلاً وہ استاد جو طالبِ علم کی راہ نمائی کرتا ہے یا ڈاکٹر جو مریض کا علاج کرتا ہے۔ انسان فطرتاً احسان کا اثر قبول کرتا ہے، جیسے یہ مقولہ ہے: إن الإنسان أسير الإحسان یعنی انسان احسان کا قیدی ہے۔ ایک شاعر نے

خوب کہا ہے:

احسن إلى الناسِ تستعبد قلوبَہم
فطالما استعبدَ الإنسانَ إحسانُ

لوگوں کے ساتھ بھلائی کرو، ان کے دلوں کو تابع کرلوگے، ہمیشہ انسان کو احسان نے مسخر کیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ایسے غیر مسلموں کے بارے میں مسلمانوں کا رویہ کیا ہونا چاہیے جو ان کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں، دشمنی کی روش نہیں اپناتے؛ دین کے معاملے میں اذیت نہیں دیتے؛ انھیں ان کے گھروں سے نہیں نکالتے اور ان کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرتے؟

قرآنِ کریم نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی تعلق کا ضابطہ نہایت واضح انداز میں بیان کیا ہے۔ سورۂ ممتحنہ کی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس معاملے کی بنیادیں طے کر دی ہیں؛ یہ آیتیں بت پرست مشرکین کے بارے میں نازل ہوئیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۝۸ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝۹﴾ [الممتحنة: ۸-۹]

"اللہ تمھیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاو کرو جنھوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا ہے؛ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ تمھیں جس بات سے روکتا ہے، وہ یہ ہے کہ تم اُن لوگوں سے دوستی کرو جنھوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا ہے اور تمھارے اِخراج میں ایک دُوسرے کی مدد کی ہے؛ اُن سے جو لوگ دوستی کریں، وہی ظالم ہیں۔"

ان آیتوں نے غیر مسلموں کے دو طبقے الگ کر دیے ہیں: ایک وہ جو مسلمانوں سے خیر خواہی اور پر امن تعلق رکھتے ہیں؛ دوسرے وہ جو دشمنی پر تُلے ہوئے ہیں۔

پہلے گروہ کے بارے میں قرآن نے تلقین کی ہے کہ ان کے ساتھ نیکی اور عدل و انصاف کا برتاو کیا جائے۔ عدل یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کا پورا حق دیا جائے، اس میں کوئی کمی نہ کی جائے۔ نیکی سے مراد احسان اور فضل

ہے جو عدل سے ایک درجہ بلند ہے کہ آدمی اپنے حق میں سے کچھ چھوڑ کر دوسرے پر فضل و احسان کرے۔

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جن سے تعلق رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ وہ ہیں جنھوں نے مسلمانوں سے دشمنی کی اور ان پر جنگ مسلط کی؛ انھیں ناحق ان کے گھروں سے نکالا؛ ان کا جرم محض اتنا تھا کہ وہ کہتے تھے: ہمارا رب تو اللہ ہے۔ یہی ظلم قریش اور مکہ کے مشرکین نے رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ پر ڈھایا تھا۔

قرآنِ مجید نے ان غیر مسلموں کے ساتھ تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے جو مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی رکھتے ہیں، ایک نہایت بامعنی لفظ اختیار کیا ہے؛ فرمایا: ﴿ أَن تَبَرُّوهُمْ ﴾ یعنی ان کے ساتھ نیکی کرو۔ یہی لفظ بِرّ اُس رشتے کے لیے بھی آیا ہے جو انسان پر اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا حق رکھتا ہے، یعنی والدین کے ساتھ نیکی اور حسنِ سلوک۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا واقعہ مذکور ہے کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میری والدہ مجھ سے ملنے آئی ہیں؛ وہ مشرکہ ہیں مگر مجھ سے تعلق رکھنا اور کچھ (تحائف وغیرہ) دینا چاہتی ہیں؛ کیا میں ان سے صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

نَعَمْ، صِلِي أُمَّكِ [1].

"اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو"۔

یہ اس حال میں فرمایا گیا کہ وہ عورت مشرکہ تھی جب کہ یہ معلوم شدہ حقیقت ہے کہ اہلِ کتاب کے ساتھ اسلام کا رویہ مشرکین کی نسبت کہیں زیادہ نرم ہے۔ قرآنِ کریم نے اہلِ کتاب کے ساتھ تعلق کو صرف حسنِ سلوک تک محدود نہیں رکھا بلکہ ان کے ساتھ کھانے پینے اور رشتہ داری کی اجازت بھی دی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ ﴾ [المائدۃ: ۵]

"اہلِ کتاب کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے اور تمھارا کھانا ان کے لیے؛ اور پاک دامن عورتیں بھی

1　صحیح بخاری: 2620، صحیح مسلم: 1003

تمھارے لیے حلال ہیں، خواہ وہ اہل ایمان کے گروہ سے ہوں یا اُن قوموں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی"۔

اس نکاح کے لوازم اور نتائج میں سے ایک یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان محبت و الفت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾

[الروم: ۲۱]

"اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمھارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی"۔

آخر ایک شخص اپنی بیوی سے محبت کیوں نہ کرے جو اس کی شریکِ حیات ہے، اس کے گھر کی منتظم ہے اور اس کے بچوں کی ماں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے باہمی تعلق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ [البقرۃ:۱۸۷]

"وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے"۔

اس نکاح کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ دونوں خاندان سسرالی رشتے میں جڑ جاتے ہیں اور یہ انسانوں کے درمیان ان دو بنیادی قدرتی رشتوں میں سے ایک ہے جن پر معاشرت کی بنیاد قائم ہے۔ قرآن نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا﴾ [الفرقان:54]

"اور وہی ہے جس نے پانی سے بشر پیدا کیا، پھر اس نے نسب اور سسرال کے دو الگ سلسلے چلائے"۔

اس نکاح کے نتائج و ثمرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس سے ماں کا رشتہ قائم ہوتا ہے اور اس کے وہ تمام حقوق بھی جو اسلام نے اس کی اولاد پر بڑی تاکید کے ساتھ مقرر کیے ہیں۔ اب سوچیے کہ اگر کسی مسلمان کی ماں غیر مسلم ہو اور اس کے ہاں کوئی بڑا تہوار آئے تو کیا نیکی اور حسنِ سلوک کا تقاضا یہی ہے کہ بیٹا اس موقع کو یوں ہی گزر جانے دے اور اسے مبارک باد تک نہ دے؟

پھر ماں کی طرف کے دوسرے رشتہ دار جیسے نانا، نانی، ماموں اور خالہ اور ان کی اولاد بھی خونی تعلق اور قریبی رشتہ داری کے حقوق رکھتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ﴾[الانفال: 75]

"مگر اللہ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں"۔

نیز ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ ﴾[النحل: 90]

"بے شک اللہ عدل، احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے"۔

جب امومت (ماں کے تعلق) اور قرابت داری کے یہ حقوق مسلمان مرد اور عورت دونوں پر یہ ذمہ داری عائد کرتے ہیں کہ وہ اپنی ماں اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ ایسا تعلق رکھیں جو ان کے حسنِ خلق، کشادہ ظرفی اور رشتہ داری کے حقوق کی ادائیگی کے رویے پر گواہ ہو تو اسی طرح دیگر عمومی حقوق کی رُو سے مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ہر حال میں ایک خوش اخلاق انسان کی حیثیت سے پیش آئے۔

رسولِ کریم ﷺ نے حضرت ابوذرؓ کو ان الفاظ میں وصیت فرمائی تھی:

اتَّقِ اللهَ حيثُما كنتَ ، وأتبِعِ السَّيِّئةَ الحسَنةَ تَمحُها ، وخالِقِ النَّاسَ بخُلُقٍ حسَنٍ[1]

"تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرو؛ برائی سرزد ہونے کے بعد نیکی کرو کہ وہ اسے مٹادے گی اور لوگوں کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آؤ"۔

قابل غور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ؛ یہ نہیں فرمایا کہ مسلمانوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

نبی کریم ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ میں نرمی کی تعلیم دی ہے اور سختی اور درشتی سے منع فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ چند یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کے الفاظ کو بگاڑ کر یوں کہا: السام علیک یا محمد۔ السام کا مطلب ہلاکت اور موت ہے۔ ام المؤمنین عائشہؓ نے یہ سنا تو جواب میں کہا: وعلیکم السام واللعنة، تم پر بھی ہلاکت اور لعنت ہو۔ رسول کریم ﷺ نے اس پر انھیں ملامت کی اور فرمایا کہ عائشہ ذرا ٹھہرو، اللہ ہر کام میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ! آپ نے

---

1 مسند احمد: 21354، 21403، 21536؛ ترمذی: 1987؛ الدارمی: 2688؛ الحاکم: 178- قال الترمذي: حديث حسن صحيح، وصححه الحاكم.

نہیں سنا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم نے نہیں سنا کہ میں ان کی بات کو انھی پر لوٹا دیتا ہوں اور کہہ دیتا ہوں کہ تم پر بھی ہو[1]۔

غیر مسلم اگر مسلمان کو اس کے تہواروں پر مبارک باد دیتے ہوں تو ایسی صورت میں ان کے تہوار پر انھیں مبارک باد دینا اور بھی زیادہ تاکیدی ہو جاتا ہے۔ ہمیں تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم بھلائی کا بدلہ بھلائی سے دیں اور سلام کا اس سے بہتر یا کم از کم ویسا ہی جواب دیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ﴾[النساء: ۸۶]

"اور جب کوئی احترام کے ساتھ تمھیں سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر طریقہ کے ساتھ جواب دو یا کم از کم اسی طرح"۔

یہ بھی مسلمان کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اخلاق اور کشادہ دلی میں غیر مسلم سے کم تر ہو۔ اصل تو یہ ہے کہ مسلمان ہی کا اخلاق سب سے بہتر اور کامل ہونا چاہیے۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے:

أكملُ المؤمنين إيمانًا أحسنُهُم خُلقًا [2]

"ایمان میں سب سے کامل وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو"۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الأَخْلَاقِ [3].

"مجھے صرف اسی لیے بھیجا گیا ہے کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کروں"۔

یہ بات اس وقت اور بھی زیادہ اہم ہو جاتی ہے جب ہم چاہتے ہوں کہ وہ اسلام سے قریب آئیں اور مسلمانوں سے مانوس ہوں کیوں کہ یہ کام بے رخی اور لاتعلقی اختیار کرنے سے نہیں ہو سکتا بلکہ حسنِ تعلق اور اچھے برتاو ہی سے ممکن ہے۔

1 صحیح بخاری: 6032؛ صحیح مسلم: 2165)

2 مسند احمد: 7402، 10106، 10817؛ سنن ابو داود: 4682؛ ترمذی: 1162؛ الدارمی: 2689. قال الترمذي: حديث حسن صحيح.

3 مسند احمد: 8952؛ الادب المفرد: 273؛ البزار: 2470-كشف الأستار، واللفظ له، وإسناده صحيح. وصححه ابن عبدالبر في التمهيد، 24/ 333

رسول اکرم ﷺ نے پورے مکی دور میں مشرکین قریش کے ساتھ نہایت شریفانہ اور پاکیزہ برتاؤ رکھا حالاں کہ وہ آپؐ کو اذیتیں دیتے رہے اور آپؐ اور آپؐ کے اصحاب کے خلاف کھلم کھلا دشمنی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ پر ان کے اعتماد کا عالم یہ تھا کہ وہ اپنی قیمتی امانتیں جن کے متعلق ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا، آپؐ ہی کے سپرد کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ میں چھوڑا اور انھیں حکم دیا کہ یہ امانتیں ان کے مالکوں کو واپس پہنچا دیں۔

پس اس میں کوئی مضایقہ نہیں کہ کوئی مسلمان فرد یا اسلامی مرکز ایسے مواقع پر مروجہ الفاظ و کلمات کے ساتھ غیر مسلموں کو مبارک باد دے، بہ شرطے کہ ان الفاظ میں ان کے دین کی تائید یا اس پر رضامندی کا کوئی پہلو نہ ہو۔

ان کی طرف سے آنے والے تحفے قبول کرنے اور ان کو جوابی تحائف دینے میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے کیوں کہ نبی کریم ﷺ غیر مسلموں کے ہدایا قبول فرماتے تھے، جیسے وہ تحائف جو مصر کے قبطی حکم ران مقوقس وغیرہ نے بھیجے تھے۔ البتہ یہ شرط ضرور ملحوظ رہنی چاہیے کہ تحفے میں کوئی ایسی چیز شامل نہ ہو جو مسلمان کے لیے حرام ہو، جیسے شراب یا خنزیر کا گوشت۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بعض فقہا جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیمؒ نے مشرکین اور اہلِ کتاب کے تہواروں اور ان میں شرکت کے بارے میں سخت رائے اختیار کی ہے۔ ہم بھی اس بات میں ان کے ہم خیال ہیں کہ مسلمانوں کو مشرکین یا اہلِ کتاب کے مذہبی تہوار نہیں منانے چاہئیں۔ افسوس کہ بعض غفلت شعار مسلمان کرسمس کو ایسے مناتے ہیں جیسے عید الفطر یا عید الاضحیٰ مناتے ہیں بل کہ کبھی تو اس سے بھی بڑھ کر؛ مگر یہ جائز نہیں ہے کہ ہمارے اپنے تہوار ہیں، ان کے اپنے تہوار ہیں۔

البتہ ہمارے نزدیک اس میں کوئی قباحت نہیں کہ ایک مسلمان اُن غیر مسلموں کو ان کے تہواروں پر مبارک باد دے جن سے متعلق قرابت، ہمسایگی، رفاقتِ کار، ہم نشینی یا کسی اور سماجی تعلق کی بنا پر اچھا اور شریفانہ رویہ مطلوب ہوتا ہے جو ایک صالح عرف میں پسند کیا جاتا ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

جہاں تک قومی اور سماجی نوعیت کے تہواروں کا تعلق ہے، مثلاً یومِ آزادی یا یومِ یک جہتی یا بچوں اور ماں کے دن جیسے مواقع، تو مسلمان کے لیے ان کی مبارک باد دینے یا ان ممالک کے شہری یا وہاں مقیم فرد کے طور پر ان میں شریک ہونے میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن یہ لازم ہے کہ ان تقریبات میں جو امور شرعاً ممنوع ہوں، ان سے اجتناب کرے۔

مسئلہ فلسطین پر سعودی عرب کا ہمہ جہتی کردار

(تاریخی حقائق کا جامع مطالعہ)

ڈاکٹر آصف جاوید

موجودہ فلسطین اور مزعومہ اسرائیل کا علاقہ، اسلامی تاریخ میں بلادِ شام کہلاتا تھا۔ جو چار سو سال (۱۵۱۷ تا ۱۹۱۷) تک، سلطنت عثمانیہ کے زیر انتظام رہا ہے۔ اس عرصے میں آبادی کا اکثریتی حصہ مسلمان اور مسیحیوں پر مشتمل تھا جبکہ یہود صرف پانچ فیصد تھے ی۔ جنگ عظیم اول (۱۸۔ ۱۹۱۴) کے دوران عثمانیوں کو شکست دے کر، ۱۹۱۷ میں برطانیہ بلادِ شام پر قابض ہو گیا۔ ۱۹۲۰ء میں لیگ آف نیشنز کے تحت برطانوی مینڈیٹ آف فلسطین قائم ہوا اور صیہونی تحریک کو کھلے عام زمین خریدنے اور آبادی بڑھانے کا خوب موقع دیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم (۴۵-۱۹۳۹) کے اختتام پر، لیگ آف نیشنز کی جگہ اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آیا، جس نے ۱۹۴۷ء میں برطانوی مینڈیٹ کا خاتمہ کر کے فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ تقسیم میں فلسطینی ریاست کو ۴۴٪ جبکہ یہودی ریاست کو ۵۶٪ علاقہ دیا گیا۔ عربوں نے تقسیم کے اس منصوبہ کو مسترد کر دیا، جبکہ صیہونی تحریک نے اسرائیلی ریاست کے قیام کا اعلان کر دیا، جس پر پہلی عرب اسرائیل جنگ (۱۹۴۸) ہوئی۔

سعودی عرب کا علمی اور عسکری کردار

برطانوی مینڈیٹ آف فلسطین کے دوران، فلسطین میں یہود کی آبادکاری کا منظم سلسلہ شروع ہوا اور یہودی، منہ مانگے دام دے کر زمین خریدنے لگ گئے۔ اس وقت بھی علمائے نجد نے یہود کو زمین فروخت کرنا نہ صرف حرام قرار دیا بلکہ اس بیع کو اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ خیانت سے تعبیر کیا۔ علمائے نجد کے فتویٰ میں سے متعلقہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

بيع الارض الفلسطينية لليهود حرام، لما فيه من تقوية العدو وتمكينه من بلاد المسلمين، ومن فعل ذلك فقد خان الله ورسوله والمومنين.[1]

"یہود کو فلسطینی زمین بیچنا حرام ہے کیونکہ اس سے اہل اسلام کی زمین پر، دشمن کو تمکین و تقویت

---

1 فتاویٰ علمائے نجد: ۶/ ۱۹۰

حاصل ہوتی ہے اور جو شخص بھی یہ کرے گا اس نے اللہ، رسول اور اہل اسلام کے ساتھ خیانت کا ارتکاب کیا۔"

۱۹۳۵ میں علمائے حرمین نے یہ موقف اختیار کیا کہ فلسطین کا مسئلہ اہل فلسطین ہی کا نہیں بلکہ تمام اہل اسلام کا مسئلہ ہے اور فلسطین کے حق میں کوتاہی، حرمین شریفین کی حق تلفی کے مترادف ہے۔ مکہ کانفرنس (۱۹۳۵) کے موقع پر علمائے حرمین نے یہ اعلامیہ جاری کیا:

قضية فلسطين هي قضية جميع المسلمين، والتفريط في ذلك تفريط فى اول القبلتين وثالث الحرمين.[1]

"مسئلہ فلسطین، جملہ اہل اسلام کا مسئلہ ہے اور اس بارے میں کوتاہی کرنا، پہلے قبلہ اور تیسرے حرم کے متعلق کوتاہی ہے"۔

۱۹۳۶ میں علمائے نجد نے جہاد فلسطین کو امت مسلمہ پر فرض کفایہ قرار دیا اور خصوصی طور سے مسلم ریاستوں پر لازم کیا کہ وہ اہل فلسطین کی مدد کریں۔ علمائے نجد کا فتویٰ ملاحظہ فرمایئے:

الجهاد في فلسطين واجب على المسلمين كفاية، و على الدول الاسلامية ان تمد اهلها بالمال والسلاح.[2]

"فلسطین میں جہاد کرنا، اہل اسلام پر فرض کفایہ ہے اور اسلامی ممالک پر لازم ہے کہ وہ اہل فلسطین کو مال اور اسلحہ فراہم کریں"۔

پہلی عرب اسرائیل جنگ (۱۹۴۸ء) کے موقع پر، سعودی علماء نے فلسطین کے حق میں فتویٰ دیا کہ جنگ میں، اہل فلسطین کے ساتھ کھڑے ہونا فرض ہے اور مظلوم فلسطین کا ساتھ چھوڑ دینا حکم الٰہی کے خلاف ہے۔ سعودی علماء کے فتوی کی عبارت یہ ہے:

الوقوف مع فلسطين فريضة دينية، ومن تخلف فقد خالف امر الله فى نصرة المظلوم.[3]

---

۱ وثائق موتمر مكة المكرمة : ۱۹۳۵

۲ فتاوی کبار علمائے نجد، رسائل:۱۹۳۶

۳ منشورات رابطة علماء الحجاز : ۱۹٤۸

”فلسطین کے ساتھ کھڑے ہونا دینی فریضہ ہے اور جو شخص پیچھے ہٹا، اس نے مظلوم کی نصرت بارے حکم الٰہی کے خلاف عمل کیا“۔

جدید سعودی ریاست ۱۹۳۲ کو معرض وجود میں آئی جبکہ شاہ سعود کے دور (۱۹۵۳) میں دار الافتاء کا ادارہ قائم کیا گیا، جس کے تحت مفتی اعظم کا منصب وجود میں آیا۔ ۱۹۵۳ سے لیکر آج تک کے تمام سعودی مفتیان عظام اپنے فتوی جات میں اپنے عوام، دیگر اہل اسلام اور مسلم ممالک کو اہل فلسطین کی مدد کے لیے برابر متوجہ کرتے رہے ہیں۔[۱]

سعودی عرب نے علم و افتاء کے میدان میں ہی نہیں بلکہ شمشیر وسناں کے مقتل میں بھی اہل فلسطین کا بھر پور ساتھ دیا چنانچہ پہلی عرب اسرائیل جنگ (۱۹۴۸) کے موقع پر، شام، مصر اور اردن کے ساتھ مل کر فلسطین کے جنوبی محاذ پر سعودی دستوں نے عملاً شرکت کی اور مالی امداد کے علاوہ عرب افواج کو اسلحہ بھی فراہم کیا۔[۲]

۱۹۵۶ میں اسرائیل، برطانیہ اور فرانس نے مصر پر حملہ کر دیا۔ یہ دوسری عرب اسرائیل جنگ تھی، جسے سویز بحران کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ سعودی عرب نے اس جارحیت کے خلاف احتجاج کے طور پر، تیل سپلائی بند کر کے مغربی طاقتوں پر دباو ڈالا۔[۳]

تیسری عرب اسرائیل جنگ (۱۹۶۷) کے موقع پر، سربراہی اجلاس خرطوم میں بھی سعودیہ نے، عرب اتحاد کے عزم کا نہ صرف اعادہ کیا بلکہ اردن اور مصر کی افواج کیلیے بھر پور مالی تعاون بھی فراہم کیا۔[۴]

چوتھی عرب اسرائیل جنگ (۱۹۷۳) یوم کپور کے موقع پر، سعودی عرب نے مصر اور شام وغیرہ کی بھرپور سیاسی اور مالی حمایت کی اور اسرائیلی حمایت کنندگان کے خلاف، تیل کا ہتھیار استعمال کرتے ہوئے واضح اعلان کیا کہ ہم، اسرائیل کے حمایتی ممالک کو تیل فروخت نہیں کریں گے، جو ہمارے فلسطینی عربی بھائیوں کے خلاف جارحیت میں شریک ہیں۔ تیل بندی کا یہی وہ سعودی اقدام تھا، جس کے نتیجہ میں، عالمی سطح پر تیل کا مشہور بحران (OPEC Oil Embargo) پیدا ہوا۔ تیل کے اس بحران نے مغربی دنیا کو جھنجوڑ کر رکھ دیا اور

---

۱ تفصیلات کے لیے درج ذیل لنک ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:_ https://alifta.gor.sa

۲ King Abdulaziz Foundation ...Saudi Role in Palestine ۱۹۴۸

۳ Leage of Arab States Communique, Cairo, November ۱۹۵۶

۴ Khartoum Arab Summit, Final Communique, ۱Sep. ۱۹۶۷

اس حکمت عملی سے سعودی عرب نے مسئلہ فلسطین، عالمی سطح پر اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔[1]

فلسطینی تنظیمات میں سعودی کردار

۱۹۵۹ء میں یاسر عرفات نے فتح کے نام سے ایک قومی جماعت بنائی، جو فلسطین کی سب سے بڑی جماعت ثابت ہوئی۔ بنیادی طور پر فتح، حركة التحرير الفلسطيني کا مخفف ہے، جس کے قیام کا بنیادی مقصد، مسلح جدوجہد کے ذریعہ فلسطین کی مکمل آزادی تھا۔ فلسطینی کاز کے لیے سعودی کردار، مالی اور سیاسی حمایت پر مبنی تھا، اسی وجہ سے سعودی عرب کسی مسلح انقلابی تنظیم کے ساتھ براہ راست تعاون میں ہمیشہ ہی سے محتاط رہا ہے۔ البتہ سیاسی اور سفارتی محاذ پر اس نے اپنا کردار جاری رکھا، چنانچہ سعودی عرب نے مسلح انقلاب کی بجائے مسلم اتحاد کے ذریعہ، حركة التحرير الفلسطيني کو فلسطین تنظیم آزادی کے روپ میں نہ صرف تسلیم کیا بلکہ رباط اجلاس ۱۹۷۴ کے موقع پر اسے، فلسطین کا واحد قانونی نمائندہ بنانے اور منوانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔[2]

عرب لیگ کے سربراہی اجلاس (۱۹۶۴) میں طے کیا گیا کہ فلسطینی عوام کی ایک مشترک نمائندہ تنظیم بنانا ضروری ہے چنانچہ ۳۱ مئی ۱۹۶۴ کو یروشلم کے مقام پر PLO کا قیام عمل میں لایا گیا، PLO در اصل Palestine Liberation Organization کا مخفف ہے، اردو میں اسے فلسطینی تنظیم آزادی کا نام دیا جاتا ہے۔ PLO میں فلسطین کے مختلف سیاسی اور مزاحمتی گروپ شامل تھے جن میں سب سے مضبوط اور مؤثر گروپ فتح کا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۶۹ میں فتح کے راہنما یاسر عرفات کو PLO کا چیئرمین منتخب کیا گیا۔ سعودی عرب PLO کے محرک بانی ارکان میں شامل تھا۔ لہٰذا اس نے باضابطہ طور پر PLO کو فلسطینی عوام کا واحد نمائندہ تسلیم کیا اور سعودی شہر ریاض میں تنظیم آزادی کا باقاعدہ دفتر بنایا گیا، جسے بعد میں فلسطینی ریاست کے سفارت خانہ میں بدل دیا گیا۔ سعودی عرب نے مذکورہ تنظیم کو مالی، سیاسی اور سفارتی سطح پر سپورٹ کیا تاکہ اسے عالمی فورمز پر فلسطینی عوام کی نمائندہ آواز بنایا جاسکے۔ CIA نے اپنی رپورٹ میں سعودی تعاون کا تذکرہ کیا ہے:

Saudi Arabia possesses considerable financial lever_age over Fatah and

---

۱ Time Magazine: Interview with King Faisal, October ۱۹۷۳

۲ Sayiga, Yezid. Armed Struggle and the Search for State: The Palestinian National Movement, -۱۹۴۹-۹۳. Oxford University, ۱۹۴۷, pp. ۹۵-۱۰۲

the PLO but generally has avoided using the blatant pressure tactics employed by other.[1]

۱۹۹۳ میں PLO اور اسرائیل کے درمیان اوسلو معاہدہ طے پایا، جس کے نتیجے میں Palestinian Authority قائم ہوئی تاکہ غزہ اور مغربی کنارے پر مشتمل، عبوری حکومت کا ڈھانچہ بنایا جاسکے۔ اوسلو معاہدے میں سعودی عرب براہ راست شریک نہ ہوا مگر اس نے مالی تعاون کے ذریعہ PA کی بھرپور مدد یہاں تک کہ نوے کی دہائی میں اتھارٹی کے بجٹ کا بڑا حصہ سعودی تعاون ہی سے پورا ہوتا رہا ہے۔ سعودی عرب نے فلسطینی اتھارٹی کے قیام کیلئے ۲۰۰ کے قریب منصوبہ جات کی مد میں ۵ ارب ڈالر سے متجاوز تعاون دیا اور نہ صرف ۳۰ ملین ڈالر دے کر اتھارٹی کو مالی بحران سے نکالا بلکہ اسے مالی اعانت فراہم کرنے کی غرض سے عالمی سطح پر ایمرجنسی فنڈ بھی قائم کیا اور اپنی طرف سے اس فنڈ میں ۹۰ ملین ڈالرز تعاون کرنے کا وعدہ کیا۔[2]

۱۹۸۷ء کو حماس کے نام سے ایک مزاحمتی تحریک وجود میں آئی، جو فلسطینی سرزمین پر اخوان کے زیر اثر قائم ہوئی تھی۔ سعودی عرب نے ابتدا میں، حماس کو فلسطینی جدوجہد آزادی کا حصہ سمجھا اور بعض رفاہی اور دینی اداروں کے ذریعہ اس کے ساتھ تعاون کیا۔ بعد میں ایک وقت آیا کہ حماس کے حد درجہ عسکری کردار کی وجہ سے حماس سعودی تعلقات میں کھچاؤ پیدا ہو گیا اس کے باوجود انتخابی جیت کے نتیجہ میں قائم، حماسی حکومت کو سعودی عرب نے تسلیم کیا۔

۲۰۰۶ کے پارلیمانی انتخاب میں، حماس نے اکثریت حاصل کر کے حکومت بنائی مگر حماس اور فتح کے درمیان، سکیورٹی معاملات اور اسرائیلی تعلقات کے مسئلہ پر شدید اختلاف ہوا، جس کی وجہ سے فلسطین میں خانہ جنگی کے حالات پیدا ہو گئے۔ اس نازک موقع پر سعودی عرب نے فریقین کو مذاکرات کی دعوت دی اور شاہ عبداللہ نے اپنی ضمانت اور میزبانی میں، فلسطین کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان مصالحتی کردار ادا کیا، جسے مکہ معاہدہ ۲۰۰۷ء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔[3]

---

۱ CIA documents: Arab States Influence on the Palestine.......

۲ https://www.aranews.com / https://www.aa.com.tr

۳ BBC news. Mecadeal for Palestinian Unity Al Jazeera Archive Meeca Agreement ۸Feb ۲۰۰۷

عربی تنظیمات اور امریکی معاہدات میں سعودی کردار

دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹۔۴۵) کے دوران، آزادی کے لیے تحریکیں زور پکڑ رہی تھیں چنانچہ برطانوی اور فرانسیسی تسلط کے خلاف، دنیائے عرب میں بھی اتحاد کی ضرورت محسوس ہوئی اور اسی ضرورت کے تحت، عرب لیگ (۱۹۴۵) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ عربی اتحاد کے ساتھ ساتھ، مسئلہ فلسطین پر مشترکہ موقف اختیار کرنا بھی، عرب لیگ کا بنیادی مقصد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ فلسطین، اس کے ابتدائی اجلاسوں کا سر فہرست ایجنڈا تھا۔ سعودی عرب نے شروع ہی سے، عرب لیگ کو مسئلہ فلسطین کے حل کا فورم قرار دیا اور فلسطین سے متعلقہ اجلاسوں میں انتہائی فعال کردار ادا کیا۔ سعودی عرب نے اس فورم پر سب سے زیادہ نہ صرف فلسطین کے تحفظ پر زور دیا بلکہ عرب لیگ کے بانی رکن کی حیثیت میں، مالی تعاون سے بھی دریغ نہیں کیا۔[1]

۱۹۶۹ میں ایک صیہونی انتہا پسند نے مسجد اقصیٰ کو آگ لگا دی، جس کے خلاف مسلم دنیا میں شدید رد عمل سامنے آیا اور اسی نازک موقع OIC (Organization of Islamic Cooperation) قائم ہوئی۔ مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کی حفاظت کے لیے اجتماعی کوشش کرنا اور مظلوم فلسطینی عوام کے لیے سیاسی و سفارتی حمایت حاصل کرنا، اسلامی تنظیم کا بنیادی مقصد تھا۔ سعودی عرب OIC کے بانی ممالک میں شامل تھا بلکہ رباط کے تاسیسی اجلاس میں شاہ فیصل نے بنیادی کردار ادا کیا۔ اسلامی تنظیم کا مرکزی دفتر جدہ، سعودی عرب میں واقع ہے۔ سعودی عرب، تنظیم کی ہمیشہ ہی سے مالی مدد کرتا آیا ہے اور اس نے مسئلہ فلسطین کو اسلامی تنظیم کا سب سے اہم ایجنڈا بنائے رکھا ہے۔[2]

۲۰۰۲ میں عرب امن مہم کا منصوبہ سامنے آیا جس کا تصور، سعودی فرمانروا شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے دیا تھا اور جسے عرب لیگ کے سربراہی اجلاس منعقدہ بیروت میں منظور کیا گیا۔ اس منصوبے کا حاصل یہ تھا کہ اسرائیل، ۱۹۶۷ کے مقبوضہ فلسطینی علاقہ جات سے مکمل انخلا کرے اور آزاد فلسطینی ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے، جس کے عوض تمام عرب ممالک، اسرائیل کو باضابطہ طور پر تسلیم کریں گے اور اس کے ساتھ مکمل

---

۱ Resolution Issued by the Extraordinary Arab and Islamic Summit. https://www.mofa.gov.sa

۲ Saudi Arabia Announces Monthly Financial Support.. In the Gaza Strip and its Surroundings. https://una.oic.org.

تعلقات قائم کریں گے۔ عرب امن منصوبہ پیش کرنے اور اسے اقوام متحدہ تک پہنچانے میں، سعودیہ نے کلیدی کردار ادا کیا۔ آج بھی عرب امن مہم کا منصوبہ، سعودی خارجہ پالیسی کا مرکزی نکتہ ہے۔[1]

جنوری ۲۰۲۰ میں امریکی صدر ٹرمپ نے مسئلہ فلسطین حل کرنے کا امن منصوبہ پیش کیا جسے (Deal of the Centaury) کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس منصوبہ کے مطابق، مغربی کنارے پر اسرائیل کا کنٹرول ہو گا اور اسرائیل کا دار الحکومت یروشلم ہو گا جبکہ حماس وغیرہ کو غیر مسلح ہونا پڑے گا۔ مذکورہ امن منصوبہ، جانب دار شرائط پر مبنی تھا چنانچہ متنازع قرار پایا، جسے فلسطینی اتھارٹی نے مسترد کر دیا کہ یروشلم برائے فروخت نہیں ہے۔ ٹرمپ منصوبے کے متعلق سعودی عرب کا موقف یہ تھا کہ ہم، ٹرمپ کی امن جدوجہد کو سراہتے ہیں مگر ریاض، فلسطینی موقف سے پیچھے نہیں ہٹے گا کیونکہ اصل امن، فلسطینی عوام کی رضا ہی سے ممکن ہے۔[2]

اگست ۲۰۲۰ میں امریکی صدر ٹرمپ نے ابراہیمی معاہدات (Abraham Accords) کا آغاز کیا جس کے بنیادی مقاصد میں، اقتصادی اور عسکری امداف کے ساتھ ساتھ، عرب ممالک اور اسرائیل کے درمیان تعلقات استوار کرنا بھی شامل تھا۔ چند عرب ممالک؛ بحرین، مراکش، سوڈان، اردن وغیرہ ابراہیمی معاہدات میں شامل ہو گئے مگر امریکی دباؤ کے باوجود سعودی عرب، معاہدات میں شامل نہیں ہوا کیونکہ اس کے نتیجہ میں، مسئلہ فلسطین کا دو ریاستی خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ابراہیمی معاہدات کے متعلق سعودی حکام نے واضح کیا کہ سعودی عرب، اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم نہیں کرے گا جب تک، ۱۹۶۷ سے قبل کی سرحدوں پر آزاد فلسطینی ریاست قائم نہ ہو جائے، جس کا دار الحکومت مشرقی یروشلم ہو۔[3]

مسئلہ فلسطین پر اقوام متحدہ میں سعودی کردار:

اقوام متحدہ کے اجلاس منعقدہ ۱۹۴۷ء کے ایجنڈا میں مسئلہ فلسطین بھی شامل تھا۔ جس کے نتیجہ میں بلاد شام (فلسطینی زمین) کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اس موقع پر فلسطین کے متعلق سعودی عرب کا پہلا باضابطہ کردار سامنے آیا چنانچہ جنرل اسمبلی کے خصوصی اجلاس (۲۸ اپریل تا ۱۵ مئی ۱۹۴۷) میں، تقسیم

---

۱ The Palestinian Cause and Reginal Leadership, ۷ Feb ۲۰۲۳. https://www.iai.it.

۲ Saudi Press Agency, ۲۸ Jan ۲۰۲۰, Al Arabia Feb ۲۰۲۰

۳ https://www.Almonitor.com

فلسطین کی مخالفت کرتے ہوئے واضح الفاظ میں اپنا موقف دیا کہ فلسطین عرب زمین ہے اور وہاں یہودی ریاست قائم کرنا ظلم ہے، جس کے نتیجہ میں جنگ اور بدامنی ہوگی۔ سعودیہ نے تقسیم فلسطین کی قرارداد کے خلاف ووٹ دیا اور سعودی نمائندہ نے قرارداد پر زبردست تنقید کرتے ہوئے کہا:

Starting with the orignal sin of deciding on ۲۹November, ۱۹۴۷. on the dismemberment of the people most directly and intimatiety...The Question of Palestine pertains to the fate of the Palestinian Arab peoples their entisty. The sons of this People belong to this land of Palestine[1].

"اصلی گناہ جرم کا آغاز کرتے ہوئے، ۲۷ نومبر ۱۹۴۷ کو فلسطینی تقسیم کا فیصلہ اس کے انتہائی براہ راست اور دلچسپی کے حامل عوام کی اجازت کے بغیر کیا گیا۔ فلسطین کا مسئلہ درحقیقت، فلسطینی عرب عوام کی تقدیر مستقبل سے متعلق ہے اور اس قوم کے بیٹے اسی سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں"۔

پہلی عرب اسرائیل جنگ (۲۹ دسمبر ۱۹۴۸) کے دوران اقوام متحدہ (سکیورٹی کونسل) نے ایک قرارداد منظور کی، جس کے ذریعہ مصر اور اسرائیل سے سیز فائر کا فوری مطالبہ کیا گیا اور جنگ بندی پر عملدرآمد یقینی بنانے کی غرض سے قرار دیا گیا کہ جو فریق بھی سیز فائر کی خلاف ورزی کرے گا، سکیورٹی کونسل اس کے خلاف اقدامات کرے گی، سکیورٹی کونسل کی جانب سے مذکورہ قرارداد کے متعلق سعودیہ کو باضابطہ طور پر مطلع کیا گیا، جس کے جواب میں نائب وزیر خارجہ نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو ٹیلی گرام کر کے سعودی موقف بیان کیا کہ سعودی حکومت پہلے ہی سے، فلسطین میں جنگ بندی اور قیام امن کے لیے کام کر رہی ہے۔ فلسطین میں انصاف اور امن کو یقینی بنانے کے لیے ہم، سکیورٹی کونسل کے ساتھ تعاون پر تیار ہیں البتہ ریکارڈ درستی کے لیے نوٹ کروانا چاہتے ہیں کہ سیز فائر کی خلاف ورزی عربوں نے نہیں بلکہ یہود نے کی ہے۔ مذکورہ ٹیلی گرام کا متن یہ ہے:

The Saudian Arabian Government have taken note of the said resolution but they observe that it was the Jews and not the Arabs who have violated the Truce. The Suadi Arabian Government togather with the States of the

---

1 UN Resulation: Palestine Question GA debate Verbatim Reord. No. ۱۸۱, ۱۹۴۷

Arab League who are willing for peace and working for the stabilization of security and truce in Palestine are ready to co-operative with the Security Council in all that ensurance peace and justice and settlement in Palestine. SU, Searity Council[1].

تیسری عرب اسرائیل جنگ (۱۹۷۳) کے بعد بھی سعودیہ نے مسئلہ فلسطین کو اقوام متحدہ کے فورم پر اٹھائے رکھا اور فلسطینی عوام کے حق خود ارادیت اور آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کے لیے ہر فورم پر آواز اٹھائی، چنانچہ سعودی وزیر خارجہ عمر السقاف نے جنرل اسمبلی سے خطاب میں کہا:

إن قضية فلسطين هي قضية العرب الأولى، والمملكة العربية السعودية تدعم حق الشعب الفلسطيني في تقرير مصيره واقامة دولته على ترابه الوطني.[2]

"مسئلہ فلسطین عربوں کا سر فہرست مسئلہ ہے اور سعودی مملکت، فلسطینی عوام کے حق خود ارادیت اور اپنی سرزمین پر ریاست کے قیام کی حمایت کرتی ہے"۔

۱۹۸۲ء میں شاہ فہد نے مسئلہ فلسطین سے متعلق ایک امن منصوبہ پیش کیا اور یہی امن منصوبہ، اقوام متحدہ میں سعودی موقف کی بنیاد سمجھا جاتا ہے چنانچہ شاہ فہد نے اقوام متحدہ سے خطاب میں فرمایا:

المملكة تؤمن بأن السلام لا يتحقق الا بانسحاب اسرائيل من جميع الاراضي العربية المحتلة عام ١٩٦٧، وبقيام الدولة الفلسطيينة المستقلة وعاصمتها القدس.[3]

"مملکت کو یقین ہے کہ جب تک اسرائیل، ۱۹۶۷ء میں عرب کی تمام مقبوضہ زمینوں سے انخلا نہ کرے اور جب تک آزاد فلسطینی ریاست قائم نہ ہو جائے، جس کا دار الحکومت القدس ہو، اس وقت تک امن کا قیام ناممکن ہے"۔

۹۵-۱۹۹۳ میں اسرائیلی حکومت اور فلسطینی تنظیم آزادی کے مابین اوسلو معاہدہ طے پایا۔ سعودی عرب

---

۱ unrestricted S/۱۲۰۲, ۱۱ January, ۱۹۴۹

۲ UN General assembly, ۲۹th Session, ۱۹۷۳, Official Records (A/PV. ۲۲۶۱)

۳ UN Document A/۳۷/Pv.۵۷, ۱۹۸۲-Statement by the Delegation of Saudi Arabia.

نے اوسلو معاہدے کی مشروط حمایت کی اور قرار دیا کہ اسرائیل پر لازم ہے کہ وہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق، فلسطین کے مقبوضہ علاقوں سے مکمل انخلا کرے۔ سعودی وزیر خارجہ سعود فیصل نے جنرل اسمبلی سے خطاب میں، اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل کے لیے دنیا سے اپیل کرتے ہوئے کہا:

توكد المملكة دعمها لحق الشعب الفلسطيني في اقامة دولته المستقلة على ارضه، وتدع المجتمع الدولي الى ضمان تنفيذ قرارات الشرعية الدولية ...[1]

"سعودی مملکت، آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کے لیے، فلسطینی عوام کے حق کی حمایت کرتی ہے اور بین الاقوامی برادری سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کا نفاذ یقینی بنائے"۔

عرب لیگ کے اجلاس (منعقدہ ۲۰۰۲) میں، سعودی شہزادے عبداللہ بن عبدالعزیز نے عرب امن منصوبہ پیش کیا۔ اس منصوبے میں مسئلہ فلسطین کا دوریاستی مشروط حل تجویز کیا گیا تھا، جسے عرب لیگ نے متفقہ طور پر منظور کیا۔ اسی منصوبہ کے بنیادی مضمون کو دوریاستی حل کی قرارداد بنا کر، سعودیہ کی مشاورت اور تائید سے اردن نے جنرل اسمبلی میں جمع کروادیا، جسے اقوام متحدہ نے امن کے فریم ورک کے طور پر ایجنڈے میں شامل کیا اور تاریخ میں پہلی بار مسئلہ فلسطین کو نہ صرف اقوام متحدہ کے ریکارڈ کا حصہ بنایا گیا بلکہ دوریاستی حل کی مذکورہ قرارداد منظور بھی ہوئی، جس کے مطابق اسرائیل اور فلسطین کے دوریاستی حل کو سراہا گیا، ۱۹۶۷ میں اسرائیلی قبضے کا خاتمہ ناگزیر سمجھا گیا اور آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کا فلسطینی حق خودارادیت تسلیم کیا گیا۔ قرارداد کے متعلقہ اقتباسات پیش خدمت ہیں:

Welcoming the vision of two States: Israel and Palestine, living side by side within secured and recognized borders... Reaffirming the necessity of ending the Israeli occupation that began in ١٩٦٧.... Reaffirming the right to self- determination and to their independent State of Palestine[2].

---

١ UN General Assembly, ٥٤th Session, ١٩٩٩- Statement by H.R.H Prince saud Al Faisal (UN Doc A/٥٤/PV.٥٤)

٢ United Nations General Assembly Resolution No.A/RES//٥٧/١١٠ "Peaceful Settelement of the Question of Palestine".

۲۰۰۹ میں اسرائیل نے غزہ کے خلاف (Operation Cost Lead) کے نام پر بڑی جارحیت کا مظاہرہ کیا، اس کا مقصد حماس کے عسکری ڈھانچے کو مکمل تباہ کرنا تھا۔ آپریشن کے نتیجے میں عام فلسطینی، ہزاروں کی تعداد میں شہید ہوئے اور غزہ کو تہس نہس کر دیا گیا، جس کے خلاف انسانی حقوق کی تنظیمات نے آواز اٹھائی اور اقوام متحدہ کو سکیورٹی کونسل کا اجلاس بلانا پڑا۔ سکیورٹی کونسل کے خصوصی اجلاس (منعقدہ ۲۰۰۹) میں سعودی عرب نے موقف اپنایا کہ جنگ بندی کے لیے فوری اقدامات کرنا کونسل کی ذمہ داری ہے۔ سعودیہ نے تشویش کا اظہار کیا کہ غزہ میں جاری تنازع، انسانی المیہ میں تبدیل ہو چکا ہے اور اس کا دائرہ کار مزید وسیع ہوتا جا رہا ہے لہٰذا غزہ میں تشدد ختم کرنے کی سنجیدہ کوشش کرنا اور تصادم بچاؤ کے لیے ہنگامی بنیادوں پر کارروائی کرنا سکیورٹی کونسل کا فرض ہے۔ اس کے نتیجہ میں ۱۸ جنوری ۲۰۰۹ کو فریقین کے مابین سیز فائر ہو گیا[1]۔

اقوام متحدہ، جنرل اسمبلی نے ۲۰۱۲ میں ایک قرار داد منظور کی، جس کے تحت فلسطین کو غیر رکن مبصر ریاست کا درجہ دیا گیا۔ یہ قرار دار فلسطینی صدر محمود عباس نے پیش کی تھی، جس پر ووٹنگ سے قبل، سعودی مندوب نے مذکورہ قرارداد کی نہ صرف کھل کر حمایت کی بلکہ اس نمائندگی کو فلسطینی عوام کے جائز حق کی توثیق قرار دیا۔ سعودی مندوب عبداللہ معلمی کے بیان کا اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

The Kingdom of Suadi Arabia fully supports the Palestinian application to upgrade this status in the United Nations. This is a gitmate and overdue step towards recognizing their right to self-determination and statehood.[2]

> "مملکت سعودی عرب، فلسطینی حیثیت میں بہتری کے لیے، اقوام متحدہ میں دائر درخواست کی مکمل حمایت کرتی ہے، جو ان کے قیام ریاست کے مسلمہ حق، حق خود ارادیت کو تسلیم کرنے کی جائز اور دیرینہ خواہش ہے"۔

اقوام متحدہ، جنرل اسمبلی نے ۲۰۱۳ میں سعودی عرب کو دو سال (۲۰۱۴-۱۵) کے لیے سکیورٹی کونسل کا غیر مستقل رکن منتخب کیا، مگر اگلے ہی روز سفارت سعودی وزارت خارجہ نے اس رکنیت سے انکار کر دیا۔ بین الاقوامی سفارت کاری میں، سعودی انکار کے اس علامتی احتجاج کو غیر معمولی فیصلہ سمجھا گیا۔ رکنیت قبول نہ

---

۱ United Nations SC to End Violance in Gaza dated:۶ janvery ۲۰۰۹

۲ UN General Assembly, ۶۷th Session, A/۶۷/PV ۴۴ Dated:۲۹ Nov ۲۰۱۲

کرنے کا ایک بنیادی سبب یہ بھی تھا کہ سکیورٹی کونسل منصفانہ بنیادوں پر مسئلہ فلسطین حل کرنے میں ناکام رہی ہے۔ لہٰذا جب تک کونسل میں ضروری اصطلاحات نہ کر دی جائیں، جو اسے موثر طور پر اپنے فرائض ادا کرنے قابل بناتی ہوں، سعودی مملکت اس کی رکنیت سے اجتناب انکار کرتی ہے۔ سعودی وزیر خارجہ کا سرکاری بیان مطالعہ کیجئے!

The Kingdom of Saudi Arabia is refraining from membership of the United Nations Security Council until? it has been reformed and enable to carry out its duties and assume its responsibilities to resolve the Palestine Case for over Sixty–five years[1].

۲۰۲۴ میں فلسطینی اتھارٹی نے درخواست دی کہ فلسطین کو اقوام متحدہ کی مکمل رکنیت دی جائے۔ اس فلسطینی درخواست کو الجزائر نے سکیورٹی کونسل میں جمع کروایا۔ سکیورٹی کونسل کے ۱۵/ ۱۲ ارکان نے مذکورہ سفارش کی حمایت کی مگر اسے امریکہ نے ویٹو کر دیا اور قرارداد منظور نہ ہو سکی، جس پر اظہار افسوس کرتے ہوئے سعودی عرب نے ویٹو اقدام کو اسرائیلی قبضہ کے جواز بلکہ دوام سے تعبیر کیا اور مذکورہ قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے آزاد فلسطینی ریاست کے قیام سے متعلق اپنا موقف دہرایا۔ سعودی وزارت خارجہ کے بیان کا اقتباس یہ ہے:

The Kingdom of Saudi Arabia expresses its regeret over the failure of the United Nations Security Council to accept the State of Palestine,s full membership. This contributes to perpetuating the intransigence of the Israeli occupation[2].

امریکی ویٹو کے رد عمل میں سعودی عرب، آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کے لیے دوبارہ متحرک ہو گیا اور مختلف عربی، اسلامی اور یورپی ممالک کے ساتھ مشاورت کے بعد "اتحاد برائے تنفیذ دو ریاستی حل" کے نام سے

---

1 Saudi Ministry of Foreign Affairs, Riyadh ۱۸ Oct ۲۰۱۳. Reported by Ruters & Al–Arabia

2 Saudi Ministry of Foreign Affairs, Anadolu Agency, ۱۹ April ۲۰۲۴

ایک عالمی فورم بنایا اور سعودی عرب نے اقوام متحدہ، جنرل اسمبلی کے اجلاس (۲۷ ستمبر ۲۰۲۴ء) میں بین الاقوامی اتحاد کا اعلان کر دیا، جو اتحاد کا محض رسمی اعلان ہی نہ تھا بلکہ فلسطین کے متعلق سعودی عرب کے اہم سفارتی اقدام کی علامت بھی تھا۔ چنانچہ سعودی وزیر خارجہ نے دیگر ممالک کو اتحاد شمولیت کی دعوت دیتے ہوئے کہا:

اليوم نيابة على الامم العربية والاسلامية و مع شركائنا الاورو بيين، نعلن اطلاق: التحالف الدولي لتنفيذ حل الدولتين، ندعوكم للانضمام إلى هذا المبادرة[1].

سعودی عرب نے بین الاقوامی اتحاد برائے تنفیذ دو ریاستی حل کے موقع پر فلسطینی ریاست سے متعلق اپنا موقف دہرایا کہ ۱۹۶۷ سے قبل کی سرحدوں پر قائم ہو، جس کا دار الحکومت مشرقی یروشلم ہو۔ سعودی وزیر خارجہ نے سکیورٹی کونسل پر واشگاف الفاظ میں تنقید کرتے ہوئے کہا کہ فلسطینی بحران ختم کرنے کا اخلاقی اور قانونی ذمہ دار، سکیورٹی کونسل کا ادارہ ہے مگر اس موضوع پر مباحثے، سیاسی مفادات کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں اور انہی مفادات نے سکیورٹی کونسل کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے سے روک رکھا ہے۔[2]

جنرل اسمبلی نے خصوصی اجلاس (دسمبر ۲۰۲۴) میں قرار دیا کہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق، مسئلہ فلسطین کے دو ریاستی حل پر غور کے لیے عالمی کانفرنس کا انعقاد کیا جائے گا، چنانچہ کانفرنس ہذا کے شریک چیئرمین / چیئرپرسن کے طور پر سعودی عرب کو منتخب کیا گیا۔ سعودی عرب نے مجوزہ طریقہ کار کے مطابق، کانفرنس کے انعقاد میں شریک چیئر اور سفارتی قائد کا کردار ادا کیا، جس کے نتیجہ میں ۲۸-۳۰ جولائی ۲۰۲۵ کو، نیویارک میں اعلیٰ سطح کی بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس کے اختتام پر، دو ریاستی پر امن حل کے لیے اعلامیہ جاری کیا گیا۔ نیویارک اعلامیہ کے حاصل نکات یہ ہیں:

This Declaration commits to taking tangible, time-bound and irreversible steps for the peaceful settlement of The Question of Palestine and the implementation of the Two-state Solution..... We agreed to take

---

۱ فيصل بن فرحان آل سعود ،وزير الخارجية السعودي الجزيرة ۲۷ ستمبر ۲۰۲٤

۲ United Nations General Assembly, ۷۹th Sesion, New York, dated: ۲۷Sep ۲۰۲۴

collective action to end the war in Gaza, to achieve a Just, Peaceful and lasting settlement of the Israeli–Palestinian Conflict..... The only way to address the legitimate aspirations of both Israelis and Palestinians is though the two–state formula ..... Any refusal to accept the two–State solution by any party must be firmly rejected[1].

"اعلامیہ ہذا، مسئلہ فلسطین کے پر امن اور دو ریاستی حل کے لیے مضبوط، مؤقت اور ناقابل واپسی اقدامات کرنے کا عہد کرتا ہے۔۔۔۔۔ غزہ میں سیز فائر کرانے اور اسرائیل، فلسطین تنازعے کا منصفانہ، پر امن اور دیرپا حل ممکن بنانے کی خاطر، مشترکہ کاروائی کرنے پر ہم نے اتفاق کیا ہے۔۔۔۔۔ دوریاستی فارمولہ ہی کے ذریعہ فریقین (اسرائیل، فلسطین) کے جائز مطالبات کا حل ممکن ہے۔۔۔۔۔ کسی فریق کی جانب سے دوریاستی حل سے انکار کو سختی سے مسترد کیا جانا چاہیے"۔

مذکورہ قرارداد کے حق میں ۱۴۲ اور مخالفت میں ۱۰ ریاستوں نے ووٹ دیا، جن میں امریکہ اور اسرائیل بھی شامل تھا جبکہ ۱۲ ریاستیں قرارداد سے غیر متعلق رہی ہیں۔ نیویارک اعلامیہ کا ایک بنیادی نکتہ، غزہ میں سیز فائر بھی تھا۔ اعلامیہ میں واضح کیا گیا تھا کہ جنگ بندی کے لیے امریکہ، مصر اور قطر کا کردار اہم ہوگا اور ہم اس کی حمایت کرتے ہیں۔ امریکہ نے ریاستی سطح پر اگرچہ، نیویارک قرارداد کے خلاف ووٹ دیا تھا تاہم امریکی صدر ٹرمپ نے ذاتی حیثیت میں دلچسپی لے کر، ۱۳ اکتوبر ۲۰۲۵ کو غزہ جنگ بندی معاہدے کا اعلان کر دیا، جس کے لیے مصر، قطر اور ترکی نے ضامن کا کردار نبھایا۔ سعودی عرب نے غزہ میں جنگ بندی کا مقدم کیا اور سیز فائر کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے مسئلہ فلسطین کے متعلق اپنے تاریخی موقف کا اعادہ بھی کیا۔ سیز فائر کی حد تک سعودی موقف اگرچہ، ٹرمپ منصوبہ سے ہم آہنگ ہے تاہم مسئلہ فلسطین کے پر امن اور دیرپا حل کے لیے، سعودی عرب کا موقف زیادہ جامع ہے اور بین الاقوامی اصول وضوابط پر مبنی ہے!

---

1 Draft Decision: New York Declaration on the Quation of Palest ine (A/۸۰/L.۱)
UN High- level International Conference.... : A/CONF. ۱/۲۰۲۵/۲۴۳

اتحادِ امت اور محدث گوندلوی

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

کتاب کا تعارف

محدث العصر حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی (متوفی ۱۹۸۵ء) اپنے وقت کے عظیم محقق، بلند پایہ عالم اور بے مثال محدث تھے۔ معاصر جماعت اہل حدیث کے کبار علماء، شیوخ الحدیث، مفتیان کرام اور محققین کی اکثریت بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت حافظ صاحب ہی کے شاگردوں میں شامل ہیں۔ جب ایک بریلوی مصنف نے "جواز الفاتحة علی الطعام" اور "حنفیہ پاکٹ بک حصہ دوم" کے نام سے دو کتابیں لکھیں اور اس میں اہل حدیث کو ایک فرقہ قرار دیتے ہوئے جہنمی قرار دیا تو حضرت حافظ صاحب رحمہ اللہ نے ان دو کتابوں کے جواب میں "الاصلاح" کے نام سے کتاب لکھی کہ جس میں مذکورہ بریلوی مصنف کے رد کے ساتھ ساتھ بدعت، اہل بدعت، تقلید، اجتہاد، قیاس، حنفی واہل حدیث اختلاف کی حقیقت، جماعتی حزبیت، مسلکی تعصب اور اتحاد واتفاق امت کی اہمیت کے حوالے سے گراں قدر تحقیقات اور سیر حاصل ابحاث بھی شامل کتاب ہوئیں جو ان کے تفقہ وتحقیق اور وسعت نظر ومطالعہ کی مظہر ہیں۔ ام القری پبلی کیشنز، گوجرانوالہ نے اسے شائع کیا ہے۔

کتاب کی تحقیق وتخریج کے فرائض مرکز التربیۃ الاسلامیہ فیصل آباد میں تخصص کرنے والے طلبہ (حافظ عبد الرووف بن محمد یعقوب، ابراہیم بن بشیر الحسینوی اور محمد فیاض آسی) نے اپنے فاضل اساتذہ فضیلۃ الشیخ حافظ محمد شریف، فضیلۃ الشیخ مولانا ارشاد الحق اثری اور فضیلۃ الشیخ حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ کی زیر نگرانی اور مشاورت میں سر انجام دیے ہیں۔

استاد محترم حافظ عبد المنان نورپوری (رحمہ اللہ) نے کتاب کی مراجعت فرمائی۔ جہاں لفظی ومعنوی اصلاح کی ضرورت تھی، اس پر تنبیہ فرمائی۔ اس سے اس طبعہ کی استنادی حیثیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ کتاب پر تقدیم اور مقدمہ لکھنے کا شرف حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ اور ڈاکٹر عبد الرحمن فریوائی حفظہ اللہ کو حاصل ہوا۔

بدعت کی تعریف

بدعت کی تعریف میں اہل علم کی مختلف اراء ہیں۔ حافظ محمد گوندلوی بدعت کی تعریف میں ایک خاص اصطلاح "سنتِ ترکیہ" استعمال کرتے ہیں جو ان کی بدعت کی تعریف سمجھنے میں کنجی (key word) کا مقام رکھتی ہے۔ واضح رہے کہ ایک "سنتِ فعلیہ" ہے یعنی وہ کام جو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے کیا اور دوسری "سنتِ ترکیہ" ہے یعنی وہ کام جو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے نہیں کیا۔

حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ "سنتِ ترکیہ" کو بھی سنت شمار کرتے ہیں یعنی اس کا ترک کرنا سنت ہے جیسا کہ "سنتِ فعلیہ" کا کرنا سنت ہے۔ جب "سنتِ ترکیہ" کا ترک کرنا سنت ہوا تو اس کا کرنا بدعت ہوا۔ اس وضاحت کے بعد حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل عبارت پڑھیں:

"ہر بدعت، سنتِ ترکیہ کے خلاف ہوتی ہے۔ سنتِ ترکیہ کا مطلب یہ ہے کہ قرن اول میں جب کسی کام کے کرنے کا سبب موجود ہو اور اس کے کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور بعد میں کوئی نیا سبب پیدا نہ ہو جو اس کام کے کرنے کا مقتضی ہو، باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وہ فعل ثابت نہ ہو، یعنی شریعت نے اس کے جواز پر قول و فعل یا تقریر سے کوئی دلیل قائم نہ کی ہو تو ایسے فعل کو ترک کرنا "سنتِ ترکیہ" کہلاتا ہے۔ جیسے عید میں اذان کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اس کا ثبوت نہیں ملتا، حالانکہ اذان کہنے کا سبب (لوگوں کو آگاہ کرنا) اس وقت موجود تھا اور اذان کہنے سے کوئی امر مانع بھی نہیں تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا سبب اذان کہنے کا پیدا بھی نہیں ہوا۔ اب اس صورت میں عید میں اذان کہنا، سنت ترکیہ کے خلاف ہو گا۔ یہی حال ہر بدعت کا ہے، مثلاً ہر نماز کے لیے غسل، ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی اور مجلس میلاد بصورت خاص، ان سب کے کرنے کے اسباب (غسل کے لیے پاکیزگی، ایصال ثواب کے لیے میت کو نفع پہنچانا اور مجلس میلاد میں نبی کی تعظیم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے، ان کے کرنے سے کوئی بندش بھی نہ تھی اور آپ کے بعد ان کے کرنے سے کوئی نیا سبب پیدا بھی نہیں ہوا، اس لیے یہ سب کام سنتِ ترکیہ کے خلاف ہوں گے۔ اگر نیا سبب ہماری غلطی سے پیدا ہوا ہو تو اس صورت میں بھی ہم کوئی نیا کام نہیں کر سکتے، بلکہ ہم کو چاہیے کہ اپنی غلطی چھوڑیں، جیسے عید میں سنت ہے کہ خطبہ نماز کے بعد ہو[1]۔"

---

1 الاصلاح، ص ۲۸۱-۲۸۲

دنیاوی امور میں احداث (نئی اختراع) بدعت نہیں

حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دنیاوی امور میں احداث بدعت نہیں ہوتے بلکہ بدعت، دینی امور میں احداث کو کہتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"اکثر اہل بدعت عام طور پر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ مانعین ہر نئے کام کو بدعت قبیحہ کہتے ہیں، خواہ دین کا ہو یا دنیا کا، یہ سراسر بہتان اور افترا ہے۔ مانعین اس نئے کام کو بدعت قبیحہ کہتے ہیں، جو دین میں بدون اذن شرع، حادث ہو، جس کا مقتضی آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بدون معارض موجود ہو، اور نیا مقتضی بدون معصیتِ عباد پیدا نہ ہوا ہو، نہ کوئی سابق مانع اٹھا ہو، جیسے عیدین کی اذان[1]۔"

دینی امور میں احداث کے ساتھ بدعت کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دینی امور میں اصل ممانعت ہے جبکہ دنیاوی امور میں اصل اباحت ہے لہٰذا دینی امور میں احداث بدعت اور دنیوی امور میں احداث بدعت نہیں ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"اہل بدعت مخالفِ دین اس امر کو سمجھتے ہیں جس کی ممانعت وارد ہو چکی ہو، امر دینی اور امر دنیا میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ یہ ان کی زبردست غلطی ہے کیونکہ دینی اور دنیاوی امور میں اختلاف ہے۔ دینی امور میں یہ قانون ہے کہ جب تک شریعت سے کوئی امر ثابت نہ ہو، اس کا کرنا منع ہوتا ہے۔ اور دنیوی امور میں اصل یہ ہے کہ جب تک ممانعت وارد نہ ہو، اس وقت تک اس کا کرنا جائز ہوتا ہے۔ دینی امور میں اصل ممانعت ہے اور دنیوی امور میں اصل اباحت ہے[2]۔"

عبادات میں احداث بدعت ہیں، وسائل عبادات میں نہیں

حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ امور دینیہ میں بھی صرف عبادات میں احداث بدعت ہے جبکہ وسائل عبادات میں احداث بدعت نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے صرف ان حو کی تعلیم اور احسان کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے لطائف ستہ و ذکر خفی کا اہتمام وسیلے میں شامل ہے نہ کہ بذاتہ عبادت و مقصود ہے۔ لہٰذا جب تک ان کو وسائل سمجھے اور عبادت و مقصود کا درجہ نہ دے تو یہ بدعت نہیں ہیں۔ حضرت حافظ لکھتے ہیں:

---

1 الاصلاح، ص ۲۸۷

۲ الاصلاح، ص ۲۹۳

"علوم عربیہ کا بقدر ضرورت اشتغال اور اشغال صوفیہ کا بقدر حاجت استعمال جیسے تحریک لطائف ستہ وذکر خفی یا مثل یاداشت کے جس کو پاس انفاس کہتے ہیں یا دل کی طرف ہمیشہ خیال رکھنا، جن سے حقیقت احسان (جس کا کتاب وسنت میں ذکر ہے) میں مدد ملتی ہے یا جیسے آلات حرب کا استعمال مثلاً توپ، بندوق، طمانچہ بقدر کفایت، یہ امور بدعت نہیں، کیونکہ یہ سب امور دین میں داخل نہیں، اگر کوئی شخص انھیں دین سمجھ کر ان پر عمل کرے تو بدعت ہوں گے۔ امر دین سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان امور کو وسائل ہونے کے علاوہ محامد دینیہ قرار دے[1]۔"

حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ بھی ہے کہ عبادات کے وسائل کو اگر ضرورت سمجھے تو یہ بدعت نہیں ہیں جیسا کہ اذان کے لیے لاوڈ اسپیکر کا استعمال کرنا، لیکن اگر انہیں عبادت کی تکمیل کا ذریعہ اور وسیلہ سمجھ لے تو یہ بھی بدعت شمار ہوں گے، یعنی اس میں نیت کا عمل دخل بہت زیادہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"نیز وسائل دو قسم کے ہوتے ہیں: ۱۔ وہ جو مقاصد کے لیے تکمیل کا باعث ہوں، جیسے غسل اور نئے کپڑے اور عطر لگانا جمعہ وعیدین کے لیے اور اذان کہنے کے لیے مینار پر چڑھنا۔ ۲۔ وہ جو ضرورت کے لیے ہیں، جیسے کنویں سے پانی کھینچنا۔ اس سے وضو کی تکمیل نہیں ہوتی، صرف ضرورت کے لیے ہے اور اگر ضرورت نہ ہو تو پانی کھینچنا کوئی نیک کام نہیں۔ بایں طور علوم آلیہ واشغال صوفیہ اور آلات مخترعہ قسم ثانی سے ہیں۔ اور جو انھیں پہلی قسم میں شمار کرے تو یہ اس کی نسبت سے بدعت حقیقیہ وصفیہ سے ہوں گے۔" (الاصلاح، ص ۵۲۷)

بدعت اور مصلحت میں فرق

حضرت حافظ محمد گوندلوی بدعت اور مصلحت میں فرق کر کے بدعت کی پہچان میں مزید نکھار لاتے ہیں۔ ان کے نزدیک بدعت کا تعلق مقاصد یعنی اعتقادات اور عبادات سے ہے جبکہ مصلحت کا تعلق مبادی یعنی ان مقاصد کے حصول کے لیے وسائل کے باب سے ہے۔ بدعت جائز نہیں، کیونکہ اعتقادات اور عبادات کے ثبوت کے لیے متعین شرعی دلیل کا ہونا ضروری ہے جبکہ مصلحت کا جواز ہے کیونکہ وسائل کے اثبات کے لیے کسی جزئی شرعی دلیل کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ شریعت کے عمومی دلائل سے بھی مصلحت کے جواز پر استدلال کیا جا سکتا ہے بلکہ مصلحت کا وجود ہی اس کے جواز کے لیے کافی ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

---

۱ الاصلاح، ص ۵۲۶

"امر دین دو قسم کے ہیں: ایک مبادی اور ایک مقاصد۔ مبادی میں مصلحت حادثہ کی بنا پر کسی کام کا نکالنا جائز ہے اور مقاصد میں منع ہے۔ اعتقادات اور عبادات مقاصد میں داخل ہیں۔ صرف و نحو، درس و تدریس، وعظ و تبلیغ، مبادی میں داخل ہیں۔ مبادی میں کسی نئے مقتضی کی بنا پر احداث جائز ہے۔ پس اخبار اگر تبلیغ دین کے لیے ہو تو بہر کیف مبادی میں داخل ہے اور مبادی میں احداث، مصلحت وقتیہ کی بنا پر جائز ہے۔ حدیث کا لکھنا اور اس کے لیے تفصیلی طور پر قواعد و ضوابط بنانا اور کتابوں کا مختلف صورتوں میں لکھنا اور آج کل طبع کرانا اور تبلیغ کے لیے جلسے قائم کرنا مصلحت وقتیہ کی بنا پر جائز ہے، مگر عبادات میں احداث جائز نہیں... پس عبادات میں یہی بات محقق ہے کہ اس میں نئے کام کا احداث جائز نہیں۔ اگر کوئی دینی امر عبادات کے قبیل سے نہ ہو تو اس میں نیا مقتضی پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اس نئے مقتضی کے مقتضی ہونے پر عمومات سے استدلال کرنا درست ہے۔ اب مندرجہ ذیل امور میں جو احداث کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ ان میں نیا مقتضی پیدا ہو گیا ہے۔ اور مقتضی کا مقتضی ہونا عموم ادلہ سے ثابت ہے مثلاً حدیث کی کتابت کا اس قدر اہتمام یہ حادث ہے، اس کا مقتضی ضیاع کا خطرہ ہے۔ اور اس مقتضی کا ہونا حفظ شریعت کے ادلہ سے ثابت ہوتا ہے، اگرچہ اس پر قرن اول و ثانی میں شاذ و نادر اعتراض کیے گئے مگر جمہور علماء نے اس وقت اس کو بنظر استحسان دیکھا۔ پھر قرن ثالث میں اس پر اجماع ہو گیا کیونکہ حفظ شریعت، واجب ہے۔ اور اس وقت کا حفظ کا طریقہ یہی تھا جو انھوں نے اختیار کیا اور مقدمہ واجب کا، واجب ہوتا ہے۔ مبادی کے صحیح یا باطل ہونے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ مقصد کی طرف پہنچاتے ہیں یا نہیں؟ اس قدر یہ مسئلہ عقلی ہوتا ہے نہ کہ شرعی۔ ہاں اس لحاظ سے یہ مسئلہ دینی بن جاتا ہے کہ اس کے کرنے پر ثواب کی امید رکھی جائے۔ اب اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہے، مگر عبادات کی طرح اس میں خاص دلیل کی ضرورت نہیں، کیونکہ اس کی بنا مصلحت پر ہے، اس لیے عموم ادلہ سے بھی یہاں کام چل سکتا ہے، اس واسطے یہاں خاص دلیل نہ ہونے سے سنت ترکیہ کی مخالفت لازم نہیں آتی۔ اور امور دنیا کی بنا چونکہ مصلحت پر ہے (اگرچہ اس کا علم شریعت سے ہوا ہے، جیسے کھجوروں کی تلقیح کے بارے میں جو حدیث گزر چکی، اس سے معلوم ہوتا ہے)، اس واسطے مجرد مصلحت کے تحقق ہونے سے اس کی اباحت ثابت ہو جاتی ہے، اس میں کسی خاص یا عام دلیل کی بھی ضرورت نہیں ہوتی، اس واسطے صورت مذکورہ میں سنت ترکیہ کی مخالفت لازم نہیں آتی، مگر جس وقت کسی امر کی ممانعت ہو تو اس صورت میں اس کا کرنا منع ہو گا، یا کسی امر کو اپنی

طرف سے واجب وسنت یا حرام ومکروہ سمجھنے لگیں تو اس صورت میں وہ کام ممنوع ٹھہرے گا۔[1]"

خیر القرون میں عبادات کی قبیل سے بعض چیزوں کا رائج ہونا بدعت ہے؟

بعض لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ خیر القرون میں بھی تو عبادات کی قبیل سے بعض چیزوں کو رائج کیا گیا لہٰذا عبادات میں بھی مصلحت کے تحت احداث جائز ہے۔ حضرت حافظ صاحب اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ کسی فعل کا خیر القرون میں ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ بدعت نہیں ہے جیسا کہ بعض سلف سے متعہ کا جواز بھی ملتا ہے۔ اب متعہ کو اس لیے بدعت نہ سمجھنا کہ یہ خیر القرون میں بھی ملتا ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ خیر القرون میں رائج ہونے والا وہ عمل بدعت نہیں ہوگا جس پر خیر القرون میں کوئی نکیر موجود نہ ہو جیسا کہ رمضان المبارک میں تراویح کی جماعت کی مثال دی جاسکتی ہے کہ کسی صحابی نے اس کا انکار نہیں کیا ہے۔

حضرت حافظ صاحب اس کی وضاحت یوں فرماتے ہیں کہ خیر القرون میں کوئی عمل کسی سبب کی بنیاد پر وجود میں آیا کہ جو سبب آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں موجود تھا لیکن اس کے ساتھ کوئی مانع بھی تھا لہٰذا آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس مانع کے سبب سے اس پر عمل نہ کیا۔ لیکن آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات سے اس مقتضی کا مانع جاتے رہنے سے اس کے کرنے کا جواز پیدا ہو گیا جیسا کہ رمضان المبارک میں تراویح کی جماعت کی نماز کی مثال دی جاسکتی ہے کہ اس کا مقتضی آپ علیہ السلام کے زمانے میں موجود تھا لیکن اس کی فرضیت کا مانع آڑے آرہا تھا کہ جس وجہ سے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف سے تراویح کی جماعت کا اہتمام نہیں کیا گیا لیکن جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات کے ساتھ وہ مانع رخصت ہو گیا تو اب اس کا مقتضی پھر سے لوٹ آیا لہٰذا خیر القرون میں اس پر عمل کر لیا گیا۔ حضرت حافظ صاحب فرماتے ہیں:

"مقاصد یعنی عبادات نماز، روزہ، صدقہ اور تلاوتِ قرآن مجید میں کسی امر کا احداث کسی مصلحت کی بنا پر جائز نہیں۔ اور امر مطلق کے جمیع جزئیات کو اس طرح ادا کرنا جائز ہے کہ ان میں تقیید اور تخصیص تشریع کی صورت اختیار نہ کرے، جیسے نوافل میں لوگوں کو بلا کر اہتمام کے ساتھ جماعت کرانا اور کھانا رکھ کر قرآن پڑھنے کو متعین کرنا، تیسرا، ساتواں اور چالیسواں دن صدقہ کے لیے مقرر کرنا، اسی طرح کے امور (جو عبادات میں بصورت التزام کیے جاتے ہیں، جن میں تشریع کا اعتقاد یا تشریع کا وہم پڑتا ہے)، مطلق یا عام ادلہ کے نیچے نہیں رہتے۔ ان بدعات کو مبادی پر، جن میں مصالح مرسلہ کی بنا

1 الاصلاح، ص ۳۰۵۔۳۰۶

پر احداث جائز ہے، قیاس نہیں کر سکتے۔ یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ مانعین کا یہ مذہب نہیں کہ اگر کسی چیز کا وجود قرون ثلاثہ (صحابہ وتابعین وتبع تابعین کے زمانے) میں ہو تو وہ بدعت نہیں رہتی بلکہ اس چیز کو بدعت سے خارج کرتے ہیں جو ان زمانوں میں بلا انکار رائج ہو، ان پر کوئی نہ کوئی شرعی دلیل پائی جاتی ہے، جیسا کہ تتبع اور استقراء سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جو چیزیں ان زمانوں میں بلا انکار رائج ہوئیں یا تو مصالح مرسلہ کی قبیل سے ہیں، جس کے لیے عام ادلہ پائی جاتی ہیں، (اور) اگر عبادات سے ہیں تو ایسی چیزیں ہیں جن کا مقتضی آنحضرت ﷺ کے وقت تھا، مگر ان کے کرنے سے اس وقت کوئی مانع تھا، جو آنحضرت ﷺ کے بعد اٹھ گیا، اور بدعات میں یہ دونوں باتیں نہیں ہوتیں[1]۔"

بدعت کی اقسام

حضرت حافظ صاحب رحمہ اللہ بدعت کو پہلے بدعت اصلی اور بدعت وصفی میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور پھر بدعت وصفی کو مزید بدعت حقیقی اور بدعت حکمی میں تقسیم کرتے ہیں۔ حضرت حافظ صاحب فرماتے ہیں:

"بدعات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ بدعات جن کا اصل بھی شرع میں ثابت نہیں، ان کو بدعاتِ اصلیہ کہتے ہیں۔ اور بعض بدعات ایسی ہیں جن کا اصل تو ثابت ہے مگر اس کے بعض تعینات ثابت نہیں، ان کو بدعاتِ وصفیہ کہتے ہیں۔ پھر ان کی دو قسمیں ہیں: ایک حقیقیہ اور دوم حکمیہ۔ پہلی قسم کا تعلق اعتقاد سے ہے، اگر کسی بدعت کے متعلق اس کے سنت یا واجب کا اعتقاد رکھے تو وہ حقیقی بدعت ہے۔ اگر اس کو بدعت ہی سمجھے مگر اس پر التزام سنت کی طرح کرے تو یہ حکمی بدعت ہو گی۔ بدعات اگرچہ سب کی سب قابل مذمت ہیں مگر حقیقی بدعت کے مرتکب کو ہی بدعتی کہا جاتا ہے[2]۔"

بدعتی کون ہے؟

حضرت حافظ محمد گوندلوی کے بقول بدعت کا مرتکب ہر حال میں بدعتی نہیں کہلاتا اور نہ ہی اس پر بدعتی کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ بدعتی صرف وہ ہے جو بدعت کا عقیدہ بھی رکھے یعنی جو کسی بدعتی عمل کو دین یا سنت سمجھ کر کرے تو وہ بدعتی ہے۔ اور جو اس کو دین یا سنت سمجھ کر نہ کرے تو وہ بدعتی نہیں ہے وہ فرماتے ہیں:

"اب قابل وضاحت بات یہ ہے کہ جس طرح نفاق اور کفر حقیقی بعض سے صادر ہو تو ان پر لفظ کفر

---

1 الاصلاح، ص ۳۰۶-۳۰۷

2 الاصلاح، ص ۳۴۲

ونفاق تو بولا جائے گا مگر کفر ونفاق حقیقی کے احکام ان پر مرتب نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اگرچہ بدعات بہت زیادہ ہیں مگر لفظ مبتدع یا صاحب بدعت اس کو کہیں گے جس میں بدعت کا عقیدہ ہو۔ اور حدیث شریف میں جو اہل بدعت کے متعلق احکام: حبط اعمال، عدم توقیر، ان کی عیادت سے اجتناب اور انہیں سلام کہنے سے اجتناب وارد ہوئے ہیں، یہ سب بدعت کا عقیدہ رکھنے والے کے متعلق ہیں[1]۔"

مزید براں حضرت حافظ کی پچھلی عبارس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدعت حقیقی کا مرتکب ہی بدعتی ہے۔ بدعت حکمی کا مرتکب نہ بدعتی کہلاتا ہے نہ اس پر بدعتی کے احکام جاری کرنا درست ہے۔

اہل بدعت کے ساتھ تعامل کے اصول

بدعتی کو تبلیغ کرنے کے حوالے سے یہ اصول ذہن میں رکھیں کہ اگر کسی بدعتی کے بارے میں (اس کی کم عقلی، کم علمی یا ضد کی وجہ سے) یہ امکان غالب ہو کہ وہ بدعت (جسے وہ ثواب سمجھ کر کر رہا ہے) چھوڑ کر بے دینی اور الحاد کی طرف چلا جائے گا تو اسے اس کی بدعت سے نہیں روکا جائے گا کہ شاید اسے آخرت میں اس بدعت کے ارتکاب میں شبہ کا فائدہ مل جائے۔ لیکن اگر وہ بے دینی اور الحاد کی طرف چلا جاتا ہے تو یہ بدعت سے بڑا منکر ہے کہ جس میں اسے آخرت میں کسی شبہے کا فائدہ ملنے کا امکان بھی نہیں معلوم پڑتا۔ ایسے حالات میں حکمت دین کا تقاضا یہی ہے کہ اس بدعتی کی بدعت پر نکیر نہ کی جائے۔ حضرت حافظ صاحب فرماتے ہیں:

"اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ اس کی نظر میں بدعت ہی نیکی اور اسلام کی خوبی ہو، اس کے متعلق یہ خطرہ ہو کہ اگر اس کو اس بدعت سے پھیرا جائے تو شاید اس کی حالت اس سے ابتر ہو جائے تو ایسے آدمی کو ایسی بدعت سے نہیں روکنا چاہیے، کیونکہ وہ اس وجہ سے اس منکر سے زیادہ برے کام یا ترکِ واجب یا ایسے مندوب کے ترک میں گرفتار ہو جائے گا جو اس بدعت سے بھی زیادہ برا کام ہے[2]۔"

احناف اور اہل حدیث میں کوئی اختلاف نہیں

عوامی سطح پر اہل حدیث اور احناف کو متحارب گروہ سمجھا جاتا ہے، لیکن شریعت کی بنیادوں پر نظر رکھنے

---

۱ الاصلاح، ص ۵۲۳

۲ الاصلاح، ص ۳۴۳

والے علما کرام کے نزدیک دونوں اہل سنت ہی ہیں، ان کے درمیان کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ حافظ محمد گوندلوی بھی عمیق النظر عالم ہیں، وہ بھی فرماتے ہیں کہ حنفی اہل حدیث اختلافات دونوں طرف سے غالیوں کے مابین ہیں، دونوں طرف کے معتدل علما کے ہاں یہ اختلاف نہ ہونے کے برابر ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

"برادرانِ اسلام پر مخفی نہیں کہ ہندوستان کے اکثر حصے میں اہل سنت کے دو گروہ ہیں: ایک اہل حدیث اور ایک حنفیہ، اگرچہ ان دونوں گروہوں کے غالی افراد کی تحریر وتقریر سے ان میں بہت بڑا فرق نظر آتا ہے مگر انصاف پسند حضرات کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں میں نہ کوئی اصولی اختلاف ہے اور نہ فروعی، بلکہ صرف اختلافِ فہم ہے[1]۔"

اس عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ احناف کے تین گروہ ہیں، ان میں سے ایک گروہ وہ ہے کہ جن کا اصول وفروع میں اہلحدیث سے اختلاف نہیں۔ اور یہ متقدمین ائمہ احناف ہیں یا وہ لوگ ہیں جو شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے منہج پر ہیں۔ حافظ صلاح الدین یوسف فرماتے ہیں:

"حضرت حافظ صاحب۔ قدس اللہ روحہ۔ کی علمی پرواز چونکہ نہایت بلند تھی، حلقہ درس میں بھی ان کے وسعت مطالعہ اور دقت نظر کا اس طرح کا اظہار بالعموم ہوتا رہتا تھا کہ کم فہموں کو ان کے سمجھنے میں دشواری پیش آتی تھی۔ چنانچہ ان کی اس فاضلانہ تالیف میں بھی ان کے علم وفقاہت کا وفور اور استنباط واستدلال کی قوت عام اہل علم کے لیے شاید حیرت واستعجاب کا باعث ہو...بالخصوص ابتدا ہی میں ان کا بیان کردہ ایک نکتہ شاید بہت سے لوگوں کے لیے ذہنی خلجان کا باعث بنے، اس لیے مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوا کہ فی الحال کم از کم اس کی توضیح کر دی جائے۔ اور وہ نکتہ یہ ہے کہ حضرت حافظ صاحب نے "اہل حدیث اور حنفیہ میں اصول اختلاف ہے نہ فروعی" عنوان قائم کر کے لکھا ہے: اہل حدیث کے اصول کتاب وسنت، اجماع اور اقوال صحابہ ہیں... یہی مسلک امام احمد بن حنبل اور دیگر ائمہ اور اہلحدیث کا ہے[2]۔"

حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت حافظ صاحب کی زندگی حدیث پڑھاتے ہوئے گزری ہے اور اس میں قدم قدم پر حدیث

---

۱ الاصلاح، ص ۱۳۱

۲ الاصلاح، ص ۱۲

وفقہ کا فکر اوسامنے آتا ہے۔ اس لیے حافظ صاحب کا فرمان یوں ہی سطحی سا نہیں ہو سکتا بلکہ یہ ایک طرف ان کے جذبہ وحدت امت کا غماز ہے، جیسا کہ ان کا درس بخاری اس کا شاہد عدل ہے، راقم کو خود اختتام بخاری پر ان کا درس بخاری سننے کا شرف حاصل ہے۔ اس میں شاہ ولی اللہ دہلوی کے حوالے سے اس موقف کو تفصیل سے بیان فرماتے تھے جو شاہ ولی اللہ نے احناف اور اہل حدیث کے درمیان توافق کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔ دوسرا حافظ صاحب کا یہ بیان ان کے نہایت گہرے مطالعے اور وسعت کا مظہر ہے۔ اور وہ اس طرح کہ جہاں تک امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے جلیل القدر تلامذہ (امام محمد اور قاضی ابو یوسف وغیرہ رحمہم اللہ) کا اور ان کا سا طرز فکر و عمل اختیار کرنے والوں کا تعلق ہے، اس کو اگر سامنے رکھا جائے تو واقعہ اہلحدیث اور احناف کے اصولوں میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔ اور فروع، اصول کے تابع ہوتے ہیں، اس لیے فروع میں اختلاف بھی کوئی معتد بہ حیثیت نہیں رکھتا[1]۔"

حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں اہل حدیث فکر کے بانی علماء حنفی نسبت رکھتے تھے۔ اور قرین قیاس بھی یہی ہے کہ ہم اہل حدیث حضرات کو کوئی نسبت اختیار کرتے ہوئے مالکی، شافعی یا حنبلی نسبت کی بجائے حنفی نسبت کو ترجیح دینی چاہیے۔ حضرت حافظ محمد گوندلوی لکھتے ہیں:

"اسی طرح اہلحدیث، حنفیہ کی طرف بہ نسبت شافعیہ کے زیادہ مائل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی درس گاہوں میں فقہ حنفی موجود ہے۔ مولانا محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی اپنے آپ کو حنفی اہل حدیث کہلایا کرتے تھے۔ میاں صاحب سید نذیر حسین مرحوم کے فتاوی کا اکثر حصہ فقہ حنفی کی کتب سے ماخوذ ہے[2]۔"

مزید لکھتے ہیں:

"حق یہ ہے کہ حنفیہ میں بھی اہلحدیث ہو گزرے ہیں مگر کم ہیں۔ ہندوستان میں چونکہ حنفی مذہب زیادہ ہے، اس لیے ہندوستان کے اہل حدیث مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کی طرف منسوب نہیں ہوئے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ ان کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہونا چاہیے مگر عدم تقلید کی وجہ سے، جو حنفی مذہب کی آج کل حزو بن گئی ہے، ان کی طرف منسوب نہیں ہوئے[3]۔"

---

۱ الاصلاح، ص ۱۴

۲ الاصلاح، ص ۱۵۴

۳ الاصلاح، ص ۱۸۸

ڈاکٹر عبد الرحمن بن عبد الجبار الفریوائی ﷾ اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"ہندوستان میں کئی ایسے مشہور اور نامور اہل حدیث علماء کا نام لیا جا سکتا ہے جن کی علمی تربیت وپرداخت حنفی مذہب پر ہوئی اور فقہ وفتاوی میں وہ حنفیت کی نسبت کے ساتھ اور حنفی اصول وفروع کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے کھلم کھلا عمل بالحدیث کے قائل اور تقلید شخصی کو ناجائز کہنے والے تھے۔ اس سلسلے میں چند نام قابل ذکر ہیں: سید نذیر حسین دہلوی... ان کے شاگرد رشید مشہور محقق اور اپنے وقت کے نامور عالم دین مولانا محمد حسین بٹالوی ہیں، جو سنت کی تائید اور مسلک اہل حدیث کی ترویج واشاعت میں اپنی مثال آپ تھے، اور مجتہدانہ شان کے ساتھ مسائل میں اتفاق واختلاف کرتے اور اپنی حنفی نسبت کے ساتھ ساتھ بلا جھجک عمل بالحدیث خود کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے تھے۔ تیسرا نام مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امر تسری کا ہے جو فاضل دیوبند تھے[1]۔"

امت مسلمہ میں افتراق کا سبب: غالی احناف اور اہل حدیث

حضرت حافظ محمد گوندلوی کا کہنا ہے کہ امت مسلمہ میں افتراق وانتشار کا باعث غالی اور متعصب قسم کے افراد ہیں جو ہر دو گروہوں یعنی احناف اور اہل حدیث میں پائے جاتے ہیں۔ حضرت حافظ صاحب فرماتے ہیں:

"غالی گروہ کے افراد دو قسم کے ہیں: ایک زندیق جو مختلف اغراض کی بنا پر اہل اسلام میں تفریق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بعض دنیا کمانے کے لیے اس کو بہت موزوں سمجھتے ہیں، بعض دشمنان ملک وملت کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں، انھی کو شریعت محمدیہ میں منافق کہا جاتا ہے... دوسرا گروہ جو در اصل منافق نہیں مگر غلطی کی وجہ سے غالی ہو گیا ہے۔ ان میں بعض کی غلطی اس وجہ سے ہے کہ دوسرے غالی گروہ کو دیکھ کر کسی ایک فرد کی ڈبل غلطی ومعصیت پر مطلع ہو کر سب کو ایک ہی طرح خیال کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ قیاس شبہ ہے، جو علماء کے نزدیک باطل ہے۔ قرآن مجید میں اس قسم کا قیاس کفار سے منقول ہے: ﴿إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَوٰا﴾ [البقرۃ: ۲۷۵] بعض کا غلو اس وجہ سے ہے کہ اس نے غالی گروہ کے ہاں تربیت پائی... اب وہ ان چیزوں کو، جس پر اس نے اپنے آباء واجداد کو پایا، بنظر استحسان دیکھتا ہے اور قوت فکریہ اور عقل سے کام نہیں لیتا۔ اس گروہ کی طرف قرآن مجید نے بایں الفاظ اشارہ کیا ہے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَآ أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ

1 الاصلاح، ص ۹۲-۹۳

اَلۡفَیۡنَا عَلَیۡهِ اٰبَآءَنَا﴾ [البقرة: ١٧٠].. یادرہے کہ غالی گروہ کی شاخیں ہر دو جماعت میں موجود ہیں۔ ترقی کے لیے عام طور پر یہی سدباب ہیں[1]۔"

حضرت حافظ محمد گوندلوی ہر دو فریقین کے متعصب افراد کو اتحاد امت کے لیے زہر قرار دیتے ہیں:

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر دو فریق میں غالی افراد موجود ہیں، جو ائمہ دین کے حق میں گستاخانہ کلمات کہتے ہیں، جیسے بعض امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بعض امام بخاری کو برا کہتے ہیں۔ فریقین کے معتدل اصحاب ان کو بنظر استحسان نہیں دیکھتے بلکہ ان کو رافضیوں کی طرح خیال کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ امت کے اتحاد کے لیے سم قاتل ہیں۔ بعض افراد کی غلطی دیکھ کر تمام افراد کو برا کہنا تحقیق کے خلاف ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی ہندو بعض مدعیانِ اسلام کی بعض حرکات دیکھ کر اسلام پر اعتراض کرے[2]۔"

حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ حنفی متعصبین کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نیز یاد رکھنا چاہیے کہ اہل حدیث کا مذہب اگرچہ مدون مذہب ہے اور اس کے اصول دوسرے مذاہب کے اصول سے سنجیدہ اور پختہ ہیں... اہل حدیث مذہب جو کتب حدیث کی صورت میں مدون اور مرتب ہے، جس میں قیاسات بعیدہ سے کام نہیں لیا گیا، اس کو مذہب کی فہرست سے خارج کر دیتے ہیں اور یہ فتویٰ صادر کر دیتے ہیں کہ مذاہب صرف چار ہیں، ان کے سوا اہل سنت کا کوئی مذہب نہیں[3]۔"

حضرت گوندلوی حنفی اہل حدیث دونوں فریقین کے متشدد افراد کی مثال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"... اگر کوئی یہ کہے کہ مذکور شخص نے دین میں تحریف کی ہے اور جو دین میں تحریف کرے، وہ جہنمی ہے، اس لیے مذکور شخص جہنمی ہے۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ شخص مذکور پر فتویٰ صادر کریں، بلکہ اس کا طرز استدلال بیان کرنا مقصود ہے کہ ایسا طرز استدلال ٹھیک نہیں، ایسے استدلال سے مغالطہ عامۃ الورود کی طرح ہر شخص و فرقہ کو ناری وغیرہ ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اس کی مثال بعینہ آج کل کے بعض متشدد اہل حدیث بلکہ غالی ظاہریوں کی طرح ہے۔ جو کہتے ہیں کہ حنفی چونکہ فاتحہ نہیں پڑھتے تو ان کی

---

1 الاصلاح، ص ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴

2 الاصلاح، ص ۲۲۷

3 الاصلاح، ص ۱۸۴

نماز نہ ہوئی، جب نماز نہ ہوئی تو بحکم حدیث "من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر" (جو عمداً نماز چھوڑے، وہ کافر ہے) وہ کافر ہوئے۔ اس قسم کی روش سے اہل علم کو بچنا چاہیے۔ آپس میں اتفاق واتحاد کی کوشش کرنی چاہیے[1]۔"

ڈاکٹر عبد الرحمن بن عبد الجبار الفریوائی ﷾ اس کی وضاحت فرماتے ہیں کہ اہل حدیث حضرات نے تو ہمیشہ احناف اور جماعت اسلامی کے معاملے میں بھی وسعت ظرفی کا مظاہرہ کیا ہے اور اپنے اسٹیج اور پلیٹ فارم پر ان کو جگہ دے کر اتحاد واتفاق کی راہیں ہموار کیں۔ مثلاً:

"میں نے خود متعدد بار (ہندوستان میں اہل حدیث کی مرکزی درس گاہ جامعہ سلفیہ بنارس میں) مختلف اجتماعات میں اس بات کا مشاہدہ کیا کہ ہمیشہ اسٹیج پر مرکزی جماعت اسلامی ہند، دار العلوم ندوۃ العلماء، جامعۃ الفلاح، دار العلوم دیوبند اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ وغیرہ سے نسبت رکھنے والے حضرات نمائندہ مقام پر نظر آئے۔ میں نے از خود جامعہ سلفیہ میں قاری محمد طیب، مولانا اسعد مدنی، مولانا ابو الحسن علی میاں ندوی، مولانا ابو العرفان ندوی، مولانا محمد یوسف امیر جماعت اسلامی ہند، مولانا رابع ندوی، وغیر ہم علماء کو دیکھا، سنا اور ان سے شرف ملاقات بھی حاصل ہوا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اہل حدیث نے اپنے اسٹیج پر مختلف مسالک اور جماعتوں کے ذمہ داران کو اکٹھا کر کے اتحاد واتفاق عملی کا درس دیا۔ آج بھی اہل حدیث مدارس میں ابتدائی درجات سے انتہائی درجات میں فقہ اور اصول فقہ کی ساری بنیادی کتابیں حنفی مذہب ہی کی پڑھائی جاتی ہیں۔ راقم الحروف نے قدوری، شرح وقایہ، ہدایہ اور نور الانوار اور اصول الشاشی جامعہ رحمانیہ اور جامعہ سلفیہ بنارس میں نصاب تعلیم ہی میں پڑھی ہے۔ ایسے ہی ندوہ نے جو عربی زبان وادب سے متعلق کورس تیار کیا ہے، وہ سارے اہل حدیث مدارس میں داخل نصاب ہے۔ ابتدائی درجات میں جماعت اسلامی کے نصاب کی مختلف کتابیں اہل حدیث مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ پاکستان میں جماعت اہل حدیث نے نفاذ شریعت کے نام پر لڑے جانے والے انتخابات میں شرکت کرنے والی جماعت اسلامی اور اس کے ہم خیال فورم کی تائید کی۔ (لیکن افسوس کہ اہل حدیث حضرات کی اس فراخ دلی پر احناف کی طرف سے کوئی مثبت رد

---

1 الاصلاح، ص ۲۱۴

عمل دیکھنے کو نہیں ملا بلکہ مزید تعصب ہی دیکھنے کو ملا)[1]۔

افتراق و انتشار کا اصل سبب

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں جماعتوں کے درمیان افتراق و انتشار کا اصل سبب یہ ہے کہ دونوں طرف کے علماء نے اپنے اجتہادات کو مذہب اور دین قرار دے دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"آج کل ہر دو فریق اہل حدیث اور حنفی بھائیوں میں اس قسم کے افراد موجود ہیں جو معمولی معمولی مسائل کی بنا پر سخت تعصب کرتے اور ایک دوسرے کو دیکھنا نہیں چاہتے کیونکہ انھوں نے اپنے بعض اجتہادات کو مذہبی رنگ دے لیا ہے۔ اللہ تعالی کے بندے ہر دو فریق میں بہت کم ہیں۔ ایسی ایسی باتیں دونوں جماعتوں میں موجود ہیں جن کی وجہ سے خلیج افتراق دن بدن ترقی کر رہی ہے[2]۔"

اتحاد میں سب سے بڑی روکاوٹ

حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ امت میں اتحاد و اتفاق مطلوب ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ اس میں سب سے زیادہ رکاوٹ وہ جمعیتیں، جماعتیں اور تحریکیں بن جاتی ہیں۔ یہ امت میں افتراق انتشار زیادہ پیدا کر رہی ہیں بنسبت اتحاد و اتفاق کی راہیں کھولنے کے۔ حضرت حافظ صاحب جماعت اور جمعیت کو ذریعہ سمجھتے ہیں نہ کہ مقصد۔ اس لیے اگر مقصد یعنی اتحاد و اتفاق امت میں کوئی جمعیت اور جماعت رکاوٹ بن رہی ہو تو اسکی بساط لپیٹنے کو اس کے وجود سے بہتر خیال کرتے ہیں۔ حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب لکھتے ہیں:

"زیادہ تکلیف دہ یہ چیز ہے کہ شیرازہ بندی کی صورت ہی میں آج کل افتراق ظاہر ہو رہا ہے۔ اور آج کل چونکہ جماعتی دور ہے اور لوگوں کی طبیعتیں اس طرف مائل ہیں، صحیح اور غلط راستے کی پہچان بسبب فقدان علم بہت کم ہے، جو شخص چاہتا اپنے خیالات کو شیرازہ بندی کی صورت پیش کرتا ہے، ہر طرف سے مختلف آوازیں آرہی ہیں، کوئی پیری مریدی کی صورت میں شیرازہ بندی کو پیش کرتا ہے، جیسے

---

1 الاصلاح، ص۹۷۔۹۸

ڈاکٹر صاحب نے مقدمۃ الکتاب میں اس کی چند مثالیں بھی پیش کی ہیں، پاکستانی معاشرے میں اہل حدیث کی طرف سے احناف کے ساتھ خوشگوار تعلقات اور اس کے جواب میں احباب دیوبند کے تعصبات کی مثالوں کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ احباب دیوبند کی کرم فرمائیاں، از علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ

۲۔ اہل حدیث پر کچھ مزید کرم فرمائیاں، از عمر فاروق قدوسی

2 الاصلاح، ص۲۱۸

اہلحدیث میں امامت دہلویہ ہے، اس اس نے آہستہ آہستہ تقلید کی صورت اختیار کرلی ہے، جس سے اہلحدیث ہمیشہ منع کرتے آئے ہیں، ان کے معتقدین سوائے اپنے امام کے کسی مسئلہ میں دوسرے عالم سے مسئلہ پوچھ کر عمل کرنے کو تیار نہیں، انھوں نے اپنے امام کو شارع مستقل سمجھ لیا ہے، اس امامت کے خیال کو اتنا درجہ دیا ہے کہ اس وجہ سے دوسروں سے اتنا تعصب کرتے ہیں جتنا افتراق کی وجہ ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ سے ہوتا ہے۔ اسی طرح پنجاب کے پیروں اور ان کے مریدوں کی حالت ہے، بے پیر کو بالکل تقوی سے خالی قریب قریب فاسق ہی خیال کرتے ہیں۔ اب سیاسی صورت میں یہ فرقے مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئے ہیں، مثلاً جماعت احرار، جماعت خاکسار اور جماعت اتحاد ملت وغیرہ، ان سے اہل اسلام کے اتحاد میں سخت رکاوٹ ہو رہی ہے۔ عوام بے چاری حیرت میں ہے، اس کو اتنا ملکہ نہیں کہ ان میں سے کسی فرقہ کی اصلیت سے آگاہ ہو، اس لیے بعض بے چارے اس جماعت اور انجمن کو فتنہ خیال کرنے لگ گئے ہیں اور اتحاد مسلمین ایک عنقا کی صورت اختیار کر رہا ہے۔ بعض مذہبی لوگوں کا خیال ہے کہ بساط تنظیم کو اٹھا دینا چاہیے کیونکہ یہی اختلاف وافتراق کا باعث ہے[1]۔"

امت مسلمہ میں اتحاد واتفاق کی راہیں

حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ عظیم تر مقاصد کے حصول کی خاطر حنفی اہل حدیث سے بڑھ کر شیعہ سنی اتحاد بھی ہو سکتا ہے۔ وہ اس کے طریق کار کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اہل اسلام کا اتحاد کیسے ہو سکتا ہے؟ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ تنظیم اور اتحاد کے بغیر کسی کو زندگی نہیں مل سکتی اور جماعت کی صورت میں ہی اتحاد ہو سکتا ہے۔ اس کوشش میں رہنا چاہیے کہ اہل اسلام کا اتحاد ہو جائے، حنفیہ کا اتحاد ہو جائے، دیوبندیہ کا اتحاد ہو جائے، اہلحدیث کا اتفاق ہو۔ اس کی یہی صورت ہے کہ ہر شخص اور ہر فرقہ اپنی امتیازی خصوصیت کو ایک زائد امر خیال کرے، یا کم از کم دوسرے کو معذور سمجھے۔ یہ اتفاق ہونا حنفیہ اور اہل حدیث میں بہت آسان ہے، اہل سنت اور شیعہ میں بھی کوئی بعید نہیں۔ حنفی اور اہلحدیث اپنی خصوصیات کو امر زائد خیال کریں، شیعی اور سنی ایک دوسرے کو

1　الاصلاح، ص۲۱۹

معذور سمجھیں[1]۔"

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اہل حدیث اور احناف کے مابین جب تقلید کے مسئلے میں بنیادی اختلاف کے ہوتے ہوئے اتحاد کیسے ممکن ہے؟ تو اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت حافظ محمد گوندلوی فرماتے ہیں:

"اہل حدیث اور احناف میں تقلید کا اختلاف: سوال: حنفیہ تقلید کی طرف دعوت دیتے اور اسے واجب کہتے ہیں، اور اہل حدیث تقلید کی مذمت کرتے اور اسے حرام کہتے ہیں تو پھر اتحاد کیسے؟ جواب: حرمت اور وجوب کے قائل دو قسم کے لوگ ہیں: ۱- غالی: جن کے درمیان نزاع حقیقی ہے۔ ۲- محققین: دراصل ان میں نزاع لفظی ہے۔ جس تقلید کی اہل حدیث مذمت کرتے ہیں اور اس کو حرام کہتے ہیں۔ ان کے ادلہ کو اگر دیکھا جائے تو ایسی تقلید کی حرمت و مذمت کا محققین حنفی بھی اقرار کرتے ہیں۔ اور جس تقلید کو حنفیہ واجب کہتے ہیں، اس کے ادلہ کو اگر دیکھا جائے تو ایسی تقلید سے اہل حدیث کو بھی مفر نہیں[2]۔"

حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ حنفی فقیہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر حنفی کسی مسئلے میں اپنے امام کے فتوی کو چھوڑ کر صحیح حدیث پر عمل کرلے تو بھی حنفی ہی رہتا ہے، وہ حنفی مذہب سے باہر نہیں ہو جاتا لہٰذا دونوں فریقین میں اتحاد و اتفاق کی یہ راہ قابل عمل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"سوال: کیا صحیح حدیث اگر مذہب کے خلاف ہو تو اس پر عمل کرنے سے حنفی، حنفیت سے خارج نہیں ہوتا ہے؟ جواب: اس کتاب (رد المحتار از علامہ شامی) میں صاف صاف تصریح فرماتے ہیں کہ جب صحیح حدیث مذہب کے خلاف ہو تو اس پر عمل کر لینا چاہیے، اس وجہ سے وہ حنفیت سے خارج نہیں ہو گا، کیونکہ یہ صحیح حدیث امام کا مذہب ہے۔ جب صحیح حدیث مذہب کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کرے اور یہ اس کا مذہب ہو گا اور اس کا مقلد حدیث پر عمل کرنے سے حنفیت سے خارج نہ ہو گا۔ آپ سے بسند صحیح مروی ہے کہ جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ یہ بات ابن عبد البر نے ابو حنیفہ اور دیگر ائمہ سے نقل کی ہے۔ امام شعرانی نے بھی ائمہ اربعہ سے اس کو نقل کیا ہے۔ یہ اس شخص کے بارے میں جس کو نصوص میں غور فکر کرنے اور محکم، منسوخ پہچاننے کی اہلیت ہو۔ جب

---

۱ الاصلاح، ص۲۱۹-۲۲۰

۲ الاصلاح، ص۱۵۸

حنفی یا شافعی مثلاً دلیل کو دیکھ کر اس پر عمل کرے تو اس کی نسبت مذہب کی طرف صحیح ہے کیونکہ صاحب مذہب نے اذن دیا ہے[1]۔"

حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حنفی اہل حدیث اتفاق کی راہیں کھولنے کے لیے درج ذیل منہج بیان کیا ہے:

"مجھے رسول اللہ ﷺ نے معلوم کرایا کہ حنفی مذہب میں ایک عمدہ طریقہ ہے جو اس سنت معروفہ کے ساتھ ملتا جلتا ہے جو امام بخاری وغیرہ کے زمانہ میں جمع کی گئی ہے۔ تینوں اماموں (ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد رحمۃ اللہ علیہم) کے اقوال سے اس امام کا قول لیا جائے جو سنت کے زیادہ قریب ہو، اس کے بعد ان فقہائے حنفیہ کے اقوال کی جستجو کی جائے جو علم حدیث کے واقف گزرے ہیں۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن سے اصول میں ائمہ ثلاثہ نے سکوت کیا ہے اور احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں، تو اس کو ضرور ثابت کرنا چاہیے اور یہ سب حنفی مذہب ہے[2]۔"

یعنی فریقین اپنے ان محققین کے طرز استدلال کی پیروی کریں جو ایک دوسرے کے منہج کو رد کرنے کی بجائے اس سے استفادے کے قائل ہیں:

"ائمہ محققین کا طرز استدلال: سوال: محقق کا طرز استدلال کیا ہے؟ جواب: ہم نے اہل الرائے اور اہل حدیث کا طرز استدلال الگ الگ نقل کر دیا ہے۔ ان کے بین بین محققین کا طرز استدلال ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: ہر زمانے کے محققین علماء دونوں طریق پر کاربند رہے ہیں۔ بعض پر اہل الرائے کا طرز استدلال غالب رہا اور بعض پر اہل حدیث کا طرز استدلال۔ کسی کو بھی بالکلیہ ترک نہیں کرنا چاہیے، جیسے فریقین سے بہت ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ صریح حق یہی ہے کہ ایک کو دوسرے کے موافق کریں اور ایک کا خلل دوسرے سے پورا کیا جائے[3]۔"

حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ اس حوالے سے وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں فریقین کے غالیوں یعنی جامد مقلدین اور ظاہر پرستوں دونوں کی نفی کی ہے اور حق کو ان

1　الاصلاح، ص ۱۷۰
2　الاصلاح، ص ۱۷۱
3　الاصلاح، ص ۱۶۲

دونوں کے مابین قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"میں ان سے کہتا ہوں جو خود کو فقہاء سمجھتے ہیں اور ان میں انتہائی تقلیدی جمود آچکا ہے کہ جب ان کو امت میں معمول بہ صحیح حدیث پہنچتی ہے تو اس پر عمل سے انھیں صرف تقلید جامد روک دیتی ہے۔ اور بالکل ظاہر پرست حضرات سے بھی کہتا ہوں جو ایسے فقہاء کا انکار کرتے ہیں جو حاملین علم اور ائمہ دین ہیں کہ یہ دونوں فریق غلط راہ پر جارہے ہیں۔ یہ کم فہمی کی راہ ہے اور معاملہ (حق) ان دونوں کے بین بین ہے[1]۔"

مزید شاہ ولی اللہ کا قول نقل کرتے ہیں:

"فروعات میں وہ چیزیں لے لی جائیں جن پر علماء متفق ہوجائیں۔ بالخصوص حنفی، شافعی فقہ سے نماز اور طہارت کے متفقہ مسائل لے لیے جائیں۔ اور اگر اتفاق نہ ہوسکے تو پھر ظاہر حدیث اور معروف حدیث کے مطابق عمل کیا جائے۔ ہم کسی صاحب علم کی تحقیر نہیں کرتے، سب طالب حق تھے، تاہم نبی اکرم ﷺ کے علاوہ ہم کسی اور کی عصمت کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ اور خیر وشر کی معرفت کے لیے میزان ہمارے نزدیک اللہ کی کتاب اور معروف سنت ہی ہے نہ کہ علماء کے اجتہاد اور صوفیہ کے اقوال[2]۔"

حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ بعض احناف، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس تجویز کردہ منہج کو تلفیق کا نام دے کر مذموم قرار دے سکتے ہیں لیکن یہ تلفیق مذموم نہیں بلکہ جائز تلفیق ہے کہ جس پر حنفی فقہاء نے بھی عمل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ مذموم تلفیق نہیں، جائز تلفیق ہے: بعض لوگ شاید اس نقطہ نظر کو تلفیق قرار دے کر اسے مسترد کردیں لیکن یہ رویہ صحیح نہیں۔ تلفیق کا مطلب ہے کہ ایک مذہب کا حامل شخص دوسرے مذہب کی باتیں اختیار کرلے۔ یہ تلفیق مطلقاً مذموم نہیں۔ صرف اس وقت مذموم ہے جب مقصد صرف سہولتوں کی تلاش ہو... ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں: حناطی وغیرہ نے ابواسحاق کا یہ قول نقل کیا

۱　الاصلاح، ص ۲۰۔۲۱

۲　الاصلاح، ص ۲۳

ہے کہ جو شخص ہر مذہب سے آسانیاں اور رخصتیں ہی پسند کرے گا تو اس طرح وہ فاسق ہو جائے گا۔ اور امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اس سے وہ فاسق نہیں ہو گا۔ صرف رخصتیں تلاش کرنا بھی امام صاحب کے نزدیک فسق نہیں تو نصوص شریعت کی بالادستی اور عوام کی سہولتوں کے نقطہ نظر سے مختلف مذاہب کی باتیں اختیار کرنا کیسے غلط ہو گا؟ چنانچہ ہر دور میں علماء نے ایسا کیا ہے، خود پاک وہند کے حنفی علماء نے زوجہ مفقود الخبر کے بارے میں فقہ حنفی کی بجائے مالکی فقہ کا مسلک اپنا کر اسے چار سال کے انتظار کے بعد چار مہینے دس دن کی عدت گزار کر نکاح کرنے کی اجازت دی ہے... وہ (مولانا تقی عثمانی صاحب) لکھتے ہیں: ایسی خواتین جنہوں نے نکاح کے وقت تفویض طلاق کے طریقے کو اختیار نہ کیا ہو، اگر بعد میں کسی شدید مجبوری کے تحت شوہر سے گلو خلاصی حاصل کرنا چاہیں، مثلاً شوہر اتنا ظالم ہو کہ نہ نفقہ دیتا ہو، نہ آباد کرتا ہو، یا وہ پاگل ہو جائے، یا مفقود الخبر ہو جائے، یا نامرد ہو جائے، اور از خود طلاق یا خلع پر آمادہ نہ ہو، تو اصل حنفی مسلک میں ایسی عورتوں کے لیے شدید مشکلات ہیں، خاص طور پر ان مقامات پر جہاں شریعت کے مطابق فیصلے کرنے والا کوئی قاضی موجود نہ ہو، ایسی عورتوں کے لیے اصل حنفی مسلک میں شوہر سے رہائی کی کوئی صورت نہیں ہے... حضرت حکیم الامت (مولانا تھانوی) قدس سرہ نے ایسے بیشتر مسائل میں مالکی مذہب کے مطابق فتویٰ دیا ہے[1]۔"

حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ احناف کے اس گروہ اور اہل حدیث میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ یہ وہی طرز فکر و عمل ہے جو امام حنیفہ اور ان کے ارشد تلامذہ نے اختیار کیا اور اس میں کوئی خرابی نہیں بلکہ یہ نہایت پسندیدہ، مستحسن اور ایک مسلمان سے مطلوب ہے۔ اور احناف کا یہی وہ گروہ ہے کہ جس کی بابت زیر نظر کتاب میں کہا گیا ہے کہ ان کے اور اہل حدیث کے مابین نہ کوئی اصولی اختلاف ہے اور نہ ہی فروعی[2]۔"

---

۱ الاصلاح، ص۲۷، ۲۸، ۲۹

۲ الاصلاح، ص۲۹

مولانا اصلاحی کی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں

قسط ۳

فکری تضادات و تناقضات

پروفیسر محمد رفیق

۱۰۔ مرتد کی سزا میں تضاد

اہل علم جانتے ہیں کہ اسلام میں سنت کی رو سے ''مرتد کی سزا قتل ہے''[1] اور اس پر امت کا اجماع واتفاق ہے۔ لیکن صاحب ''تدبر قرآن'' مرتد کی سزا کے بارے میں الجھاؤ (Confusion) کا شکار بھی ہیں اور تضاد بیانی سے بھی کام لیتے ہیں۔ کبھی مرتد کو واجب القتل قرار دیتے ہیں اور اس کی تائید میں تورات کا حوالہ بھی دیتے ہیں کہ موسوی شریعت میں بھی مرتد کے لیے قتل ہی کی سزا تھی۔ پھر پینترا بدل کر کہتے ہیں کہ قتل کی سزا صرف اس مرتد کو دی جاسکتی ہے جو ارتداد کے ساتھ ساتھ بغاوت کا بھی مرتکب ہو۔ وہ باغی اور غیر باغی مرتد کی تفریق کر کے یہ الجھاؤ پیدا کرتے ہیں کہ اسلام میں مرتد کی سزا کا سبب ارتداد نہیں بلکہ بغاوت ہے۔

① چنانچہ انہوں نے سورہ البقرہ کی آیت ۲۱۷ کے الفاظ ﴿حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ (تو یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے۔) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''جو شخص مرتد ہو جاتا ہے وہ اسلامی ریاست میں جملہ شہری حقوق سے محروم جاتا ہے، ریاست پر اس کے جان ومال کی حفاظت کی ذمہ داری باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ اسی اصول پر اسلامی تعزیرات کا وہ قانون مبنی ہے جو مرتدوں کی سزا سے متعلق ہے''[2]۔

② سورۃ البقرۃ (۲/۵۴) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ارتداد کی سزا حضرت موسیٰؑ کی شریعت میں بھی قتل ہی تھی''[3]۔

---

۱ صحیح بخاری، کتاب استتابة المرتدین، باب حکم المرتد...: ٦٩٢٢، ابوداؤد ٤٥٠٢

۲ تدبر قرآن: ۱/۵۱۳

۳ تدبر قرآن: ۱/۲۱۴

مذکورہ دونوں حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحی مرتد کے لیے سزائے قتل کے قائل ہیں۔ مگر دوسرے مقام پر وہ اپنے اس موقف سے انحراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلام میں مرتد کو اس کے ارتداد پر نہیں بلکہ اُس کی بغاوت کے جرم میں قتل کی سزا دی جاتی ہے۔ یعنی جو مرتد بغاوت نہ کرے اسے قتل نہیں کیا جاسکتا۔

سورہ البقرہ (۲/۲۵۶) میں ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ (دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے) کی تفسیر میں لکھا ہے:

"ارتداد بھی اسی زمرے کا ایک جرم بلکہ بہت بڑا جرم ہے۔ اور اس پر جو سزا ایک اسلامی نظام میں دی جاتی ہے وہ اس بات پر نہیں دی جاتی کہ ایک شخص کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے بلکہ اس بات پر دی جاتی ہے کہ اس نے خدا کی حکومت اور اس کے قانون کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے۔"[1]

لیکن مولانا صاحب کے اس مبہم اور غیر واضح موقف کی وضاحت اُن کے ایک شارح اور ترجمان جاوید احمد غامدی نے اپنی کتاب "میزان" میں اس طرح کر دی ہے:

"موت کی سزا قرآن کی رو سے قتل اور فساد فی الارض کے سوا کسی جرم میں بھی نہیں دی جاسکتی۔"[2]

غامدی صاحب مزید اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں:

"ہمارے فقہا کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے قرآن و سنت کے باہمی ربط سے اس حدیث (مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ) صحیح بخاری (۶۹۲۲) کا مدعا سمجھنے کی بجائے اسے عام ٹھہرا کر مرتد کی سزا موت قرار دی اور اس طرح اسلام کے حدود و تعزیرات میں ایک ایسی سزا کا اضافہ کر دیا، جس کا وجود ہی اسلامی شریعت میں ثابت نہیں ہے"[3]۔

اس سے معلوم ہوا کہ استاد اور شاگرد دونوں ہی ارتداد کی سزائے قتل کے منکر ہیں اور صرف باغی مرتد کو فساد فی الارض کے جرم میں واجب القتل ٹھہراتے ہیں۔ یوں وہ اپنے اس فکری تضاد کا ثبوت خود اپنی تحریروں سے ہی پیش کر دیتے ہیں۔

---

۱ تدبر قرآن: ۱/ ۵۹۳، ۵۹۴

۲ میزان: ۲۸۳، طبع دوم اپریل ۲۰۰۲ء، لاہور۔ میزان: ۶۱۱، طبع سوم، مئی ۲۰۰۸ء، لاہور

۳ جاوید احمد غامدی، برہان: ۱۴۳، طبع چہارم، جون ۲۰۰۶ء، لاہور

۱۱۔ اجماعِ امت کا اقرار بھی انکار بھی؟

صاحب ''تدبر قرآن'' کے فکری و عملی تضادات میں ایک واضح تضاد یہ ہے کہ وہ ایک طرف اجماعِ امت کو حجت اور واجب العمل قرار دیتے ہیں اور اس کی مخالفت کو ناجائز کہتے ہیں مگر دوسری طرف اجماعِ امت سے ثابت شدہ احکام و مسائل کی خلاف ورزی اور ان کا انکار بھی کرتے ہیں۔

چنانچہ سورہ النساء (۴/۵۹) کی تفسیر میں اجماع کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''ارباب حل و عقد یا ان کی اکثریت کا صاحبِ امر یعنی خلیفہ اور امام کی رہنمائی میں، کسی امر کے اوفق بالشریعت ہونے پر اتفاق کر لینا شریعت میں اجماع کہلاتا ہے، جو رفعِ اختلاف کے لیے ایک منصوص طریقہ ہے اور اس کی مخالفت کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔''[1]

مزید انہوں نے حاشیہ میں اپنی کتاب ''اسلامی قانون کی تدوین'' کی مراجعت کا مشورہ دیا ہے۔ جب ہم نے وہاں دیکھا تو وہاں ہمیں ان کی درج ذیل تحریر ملی ہے:

''تدوینِ قانون کے کام کے ہر مرحلے میں یہ حقیقت پیشِ نظر رکھی جائے کہ مسلمان کتاب و سنت کی جن تعبیروں پر اعتماد رکھتے ہیں، انہی تعبیروں پر مبنی ضابطہ قانون بنایا جائے۔ اگر اپنی طرف سے نئی تعبیریں محض شوقِ اجتہاد میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی تو ان کو لوگ ہرگز قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے اور اگر غلط طریقوں سے ان کو لوگوں پر لادنے کی کوشش کی گئی تو اس کے نتائج مضر بلکہ مہلک ہوں گے''[2]۔

اپنی ایک اور کتاب میں اجماع کی دو قسمیں بیان کیں اور دونوں کے حجت اور واجب العمل ہونے کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''ایک انطباق تو وہ ہے جس پر خلفائے راشدین اپنے دور کے اہلِ علم و تقویٰ کے مشورے کے بعد متفق ہو گئے ہیں۔ یہ اسلام میں اجتماع کی بہترین قسم ہے اور یہ بجائے خود ایک شرعی حجت ہے۔ اسی طرح ایک انطباق وہ ہے جس پر ائمہ اربعہ متفق ہو گئے ہیں۔ یہ اگرچہ درجے میں پہلی قسم کے اجماع کے برابر نہیں ہے، تاہم چونکہ یہ اُمت من حیث الامر ان ائمہ پر متفق ہو گئی ہے، اس وجہ سے ان

---

۱ تدبر قرآن: ۲/۳۲۵

۲ اسلامی قانون کی تدوین: ۱۳۵

ائمہ کے کسی اجماع کو محض اس دلیل کی بناپر رد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ معصوم نہ تھے۔ یہ معصوم تو بے شک نہ تھے لیکن ان کے معصوم نہ ہونے کے معنی ہر گز یہ نہیں ہیں کہ کسی امر پر ان کا اتفاق دین میں حجت نہ بن سکے"[1]۔

سورۃ النساء(۴/۱۱۵) کی تفسیر میں صحابہ کرام واہل ایمان کے طریقے کی پیروی کے بارے میں لکھا ہے:

"سبیل المومنین" میں مومنین سے مراد صحابہ رسول ﷺ ہیں۔ انہوں نے زندگی کا جو طریقہ اختیار کیا وہ سر تا سر ہدایت الٰہی پر مبنی تھا اس وجہ سے اس کی اتباع ہی اللہ اور اس کے رسول کی اتباع ہے۔ اس سے ہٹ کر کوئی راہ نکالنا گمراہی ہے"[2]۔

مذکورہ حوالوں سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے اور موصوف اجماع کو حجت اور واجب العمل مانتے ہیں اور اس کی خلاف ورزی کو گمراہی سمجھتے ہیں، لیکن اجماع امت سے ثابت شدہ مسائل میں سے جو ان کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتے ان کا انکار کر دیتے ہیں۔ مثلاً

① انہوں نے اجماع امت کے خلاف شادی شدہ زانی کے لیے حد رجم یعنی سنگساری کی سزا کا یہ کہہ کر انکار کیا ہے کہ شادی شدہ زانی کی اصل سزا تازیانہ ہے"[3]۔

② اجماع امت سے سبعہ قراءات (بلکہ عشرہ قراءات) ثابت ہیں، لیکن وہ قراءت حفص کے علاوہ قراءات کا انکار کرتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"ہمارے نزدیک متواتر اور مشہور قراءت صرف مصحف ہی کی قراءت ہے"[4]۔

③ اس امر پر اجماع امت ہے کہ سفر و حضر دونوں حالتوں میں مسافر اور مقیم کوئی شے رہن (Pledge) رکھ کر لین دین کیا جا سکتا ہے[5]۔ حالت سفر میں رہن رکھ کر لین دین کرنے کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے جبکہ حضر میں رہن کے ذریعے لین دین کرنے کا تذکرہ حدیث میں موجود ہے، ملاحظہ ہو:

---

۱ عائلی کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ:۵۸

۲ تدبر قرآن:۲/۳۸۲

۳ تدبر قرآن:۵/۳۷۴

۴ تدبر قرآن:۵/۹۹

۵ موسوعة الاجتماع فی الفقه الاسلامی لسعدی أبی حبیب:۱/۴۵۹

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنهَا، قَالَتْ: تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ، بِثَلَاثِينَ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ[1].

"سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو آپ کی درعہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔"

مگر صاحبِ "تدبیر قرآن" مقیم کے لیے رہن کے ذریعے لین دین کو ناجائز قرار دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

"رہی حدیث تو اس سے بھی رہن کے عام جواز پر استدلال کسی طرح صحیح نہیں ہے"[2]۔

④ اس امر پر اجماع امت ہے کہ مطلقہ ثلاثہ اس شرط کے ساتھ پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے کہ دوسرے شوہر نے اس سے نکاح کے بعد جماع بھی کیا ہو، پھر اُسے طلاق دی ہو یا وہ فوت ہو گیا ہو۔ اجماع امت کی بنیاد وہ حدیث ہے، جس میں ہے کہ رفاعہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، تو دوسرے آدمی نے اس سے شادی کرلی، لیکن چند دنوں کے بعد خاتون نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر خاوند کے جنسی طور پر کمزور ہونے کی شکایت کی اور پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا، حَتَّى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ[3].

"نہیں! یہاں تک کہ تو خاوند کا مزا چکھ لے اور خاوند تیرا مزا چکھ لے"۔

لیکن صاحبِ "تدبر قرآن" حدیث اور اجماع امت سے ثابت شدہ اس جماع والی شرط کا انکار کرتے ہیں اور اس کے بغیر ہی پہلے شوہر کے لیے عورت سے نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ:

"آخری طلاق دے چکنے کے بعد اگر کوئی شخص پھر اس عورت سے نکاح کرنا چاہے تو یہ اس کا حکم بیان ہو رہا ہے کہ جب تک وہ عورت کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اور وہ اس کو طلاق نہ دے اس وقت تک یہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لیے جائز نہیں ہو سکتی... رہی یہ بات کہ ایسی عورت اپنے پہلے شوہر کے لیے صرف اس صورت میں جائز ہو گی جب اس کا دوسرا شوہر اس کو وطی کے بعد طلاق دے

---

1 صحیح بخاری: ۲۹۱۶

2 تدبر قرآن: ۱/ ۶۴۴

3 صحیح بخاری: ۲۶۳۹، صحیح مسلم: ۳۵۲۶

تو کم از کم اس وطی کے لیے قرآن سے کوئی ثبوت نہیں نکلتا... ہمارے نزدیک حدیث سے جو استدلال کیا گیا ہے وہ بھی نہایت کمزور ہے"[1]۔

یعنی 'صاحب "تدبر قرآن" جس قوت سے اجماعِ امت کا اقرار کرتے ہیں اتنے ہی زور سے وہ اس کا انکار بھی کر دیتے ہیں۔

۱۲- کیا خلفائے راشدین کا اتفاق یعنی تعامل صحابہ حجت ہے؟

صاحب "تدبر قرآن" کا ایک فکری و عملی تضاد یہ بھی ہے کہ وہ خلفائے راشدین کے اتفاق رائے کو اجماع، شرعی حجت اور واجب العمل مانتے ہیں لیکن دل نہ چاہے تو ان کے کئی متفقہ فیصلوں کو بلڈوز بھی کر دیتے ہیں۔

اصولی طور پر وہ خلفائے راشدین کے اتفاق رائے کو اجماع اور شرعی حجت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک انطباق تو وہ ہے جس پر خلفائے راشدین اپنے دور کے اہل علم و تقویٰ کے مشورے کے بعد متفق ہو گئے ہیں۔ یہ اسلام میں اجماع کی بہترین قسم ہے اور یہ بجائے خود ایک شرعی حجت ہے۔ اسی طرح ایک انطباق وہ ہے جس پر ائمہ اربعہ متفق ہو گئے ہیں"[2]۔

دوسری طرف وہ ان مسائل کو جن پر خلفائے راشدین کا اتفاق موجود ہے صریحاً خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں دی جاتی ہیں:

① خلفائے راشدین کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید کی ایک سے زیادہ قراء تیں مگر صاحب "تدبر قرآن" نے قرآن کی ایک سے زیادہ متواتر قراء تیں ہونے کا انکار کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

"ہمارے نزدیک متواتر اور مشہور قراءت صرف مصحف ہی کی قراءت ہے اور ہم غیر متواتر قراءت پر قرآن کی کسی آیت کی تاویل کو صحیح نہیں سمجھتے"[3]۔

② خلفائے راشدین اس امر پر متفق ہیں کہ سنت کی رو سے شادی شدہ زانی کے لیے حدِ رجم ہے اور انہوں نے ایسے مجرموں کو بالفعل رجم کیا ہے، مگر صاحب "تدبر قرآن" زانی کے لیے حدِ رجم کے منکر ہیں[4]۔

---

۱ تدبر قرآن: ۱/ ۵۳۸-۵۳۷

۲ عائلی کمیشن کی رپورٹ پر تبصرہ: ۵۸

۳ تدبر قرآن: ۵/ ۹۹

۴ تدبر قران: ۵/ ۳۷۴

③ خلفائے راشدین کے نزدیک ازروئے سنت مرتد کے لیے قتل کی سزا مقرر ہے مگر صاحب ""تدبر قران" کہتے ہیں کہ اسلام میں قتل کی سزا مرتد کو نہیں بلکہ باغی شخص کو دی جاسکتی ہے[1]۔

④ خلفائے راشدین کا اتفاق ہے کہ مطلقہ ثلاثہ پہلے شوہر سے تب دوبارہ نکاح کر سکتی ہے جب دوسرے شوہر نے اس سے نکاح کے بعد جماع بھی کیا ہو، اس کے بعد اس نے اُسے طلاق دی ہو یا وہ فوت ہو گیا ہو۔ مگر "صاحب ""تدبر قرآن" اس شرط کے بغیر ہی اسے پہلے شوہر سے نکاح کرنے کی اجازت دیتے ہیں[2]۔

⑤ خلفائے راشدین متفق ہیں کہ سفر و حضر دونوں حالتوں میں رہن (Pledge) رکھ کر کوئی لین دین کر سکتا ہے۔ مگر صاحب تدبیر قرآن مقیم کے لیے رہن کے معاملے کو ناجائز قرار دیتے ہیں[3]۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "ہر وہ قتال (لڑائی) جس میں فساد، اصلاح پر غالب ہو جائے، وہ فتنہ کی لڑائی ہے"۔

مزید فرماتے ہیں کہ: "جب کسی عمل میں فائدہ (مصلحت) اور نقصان (مفسدہ) دونوں شامل ہوں، تو شارع جو حکیم ہے، اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر اس عمل کا فائدہ نقصان پر غالب ہو تو شریعت اسے جائز قرار دیتی ہے، لیکن اگر نقصان فائدے پر غالب ہو تو شریعت اسے جائز قرار نہیں دیتی، بلکہ اس سے منع کرتی ہے"۔ [المجموع: ج ۱۱/ ص ۶۴۲]

یہ اقتباس ایک فقہی اور اصولی قاعدہ کو واضح کرتا ہے کہ: شریعت کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہے، جس کام میں فائدہ زیادہ ہو، شریعت اسے جائز قرار دیتی ہے اور جس میں نقصان زیادہ ہو، شریعت اس سے منع کرتی ہے۔ اسی لیے اگر کوئی جنگ یا قتال اصلاح سے زیادہ فساد پیدا کرے تو وہ جائز نہیں، بلکہ فتنہ ہے۔

نوٹ: یہ شمارہ ۳ ماہ دسمبر ۲۰۲۵ تا فروری ۲۰۲۶ کا ہے

1 تدبر قران: ۱/ ۵۹۳
2 تدبر قرآن: ۱/ ۵۳۸
3 تدبر قرآن: ۱/ ۶۴۴

مفتی اعظم شیخ عبد العزیز آل شیخ کی رحلت

ڈاکٹر طاہر اسلام عسکری[1]

ماہنامہ محدث کے "وفیات" کے کالم میں اہلِ علم و فکر کی رحلت پر مختصر تعزیتی شذرات شایع کیے جاتے ہیں تاکہ قارئین کو ان کی وفات کی اطلاع ہو جائے اور ان کے لیے دعا اور اظہارِ افسوس کا موقع مل سکے؛ اس کالم سے محض اظہارِ تعزیت اور مختصر تذکرہ مقصود ہے۔ کسی عالم، مفکر یا محقق کے احوالِ زیست، علمی آثار، تحقیقی خدمات اور فکر و منہج کے مفصل علمی جائزے کے لیے "سیر و سوانح" یا "نقد و نظر" کے مستقل کالم مخصوص ہیں جن کے تحت ان تمام پہلوؤں کو شرح و بسط اور تحقیق و تفحص کے ساتھ زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔ (ادارہ)

عالمِ اسلام کی ایک جلیل القدر علمی شخصیت شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ آلِ شیخ نے 23 ستمبر 2025ء کو ریاض میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ عمر کے بیش تر حصے کو انھوں نے علمِ دین کی خدمت، تدریس، افتا اور خطابت کے لیے وقف کیے رکھا۔ ان کا شمار ان رہ نماؤں میں ہوتا ہے جنھوں نے استقامت، علم اور وقار کے ساتھ امت کی روحانی تربیت اور دینی رہ نمائی کی ذمہ داری نبھائی۔ انھوں نے اپنے علم و فہم اور فکر و تدبیر سے ایک طویل زمانے تک اہلِ علم اور مسلم امہ کو سہارا دیا۔ ان کی رحلت سے علمی دنیا میں جو خلا پیدا ہوا ہے، وہ آسانی سے پُر ہوتا نظر نہیں آتا۔

شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ آلِ شیخ 30 نومبر 1943ء کو مکہ مکرمہ میں ایک ایسے معزز علمی گھرانے میں پیدا ہوئے جو کئی نسلوں سے دین کی خدمت، افتا اور تعلیمِ شریعت کا علم اٹھائے ہوئے تھا۔ خاندانِ آل الشیخ کی علمی روایت کی یہ دولت ان کے اندر کم سنی ہی سے علم کا ذوق اور دین سے وابستگی کا شعور پیدا ہو گیا۔ ابتدائی برسوں میں انھیں قرآنِ مجید حفظ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور پھر وہ اسی ماحول میں بنیادی دینی متون، عقیدہ اور فقہ کی ابتدائی تعلیم سے آشنا ہوئے۔ گھر کا علمی رنگ، بزرگوں کی تربیت اور قرآن سے ابتدائی شغف نے ان کی

1 فاضل جامعہ لاہور الاسلامیہ، رحمانیہ

شخصیت کا وہ رخ متعین کر دیا جس پر آگے چل کر ان کی پوری علمی زندگی کی بنیادیں استوار ہوئیں۔

شیخ عبدالعزیز آلِ شیخ بچپن ہی میں جب کہ ان کی عمر سات آٹھ سال تھی، اپنے والد شیخ عبداللہ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے تھے۔ شیخ کی والدہ، سارہ بنت ابراہیم الجہیمی، نے غیر معمولی محنت اور صبر سے ان کی تربیت کی۔ وہ نہایت دین دار، عبادت گزار اور اپنے بچے کے معاملے میں بے حد مخلص تھیں۔ شیخ کی بینائی بچپن ہی سے کم زور تھی۔ ان کی والدہ کا معمول تھا کہ نمازِ فجر کے وقت انھیں ہر روز مسجد لے کر جاتیں، خود ساتھ بیٹھی رہتیں اور نماز ختم ہونے کے بعد واپس گھر لاتیں۔ اسی مسلسل توجہ اور تربیت نے کم سنی ہی میں ان کے اندر عبادت کا ذوق اور دین سے وابستگی پیدا کر دی جو تمام عمر ان کی شخصیت کا لازمی حصہ رہی۔

1381ھ میں جب ان کی آنکھ کا آپریشن ہوا تو والدہ مسلسل ان کے ساتھ رہیں۔ آپریشن کام یاب نہ ہوا تو بہت رنجیدہ ہوئیں اور معالج سے یہ خواہش ظاہر کی کہ اگر ممکن ہو تو وہ اپنی ایک آنکھ بیٹے کو دے دیں۔ اس موقع پر مفتی اعظم شیخ محمد بن ابراہیم نے ان کی دل جوئی کی اور فرمایا کہ یہ اللہ کا فیصلہ ہے، ہم سب اسی کی تقدیر کے محتاج ہیں۔ والدہ نے نہایت خلوص سے جواب دیا کہ اگر مجھے یقین ہو جاتا کہ میری آنکھ بیٹے کو فائدہ دے گی تو میں فوراً اسے دینے پر آمادہ ہوں۔ وہ شیخ کے ساتھ ہر سال حج میں شریک رہتیں اور انھوں نے چالیس حج ان کے ہم راہ ادا کیے۔ 1436ھ میں سو برس کے قریب عمر پا کر اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔

شیخ عبدالعزیز آلِ شیخ کی باقاعدہ علمی تربیت ان عظیم اساتذہ کے زیرِ نظر ہوئی جنھوں نے جزیرۂ عرب کی علمی روایت کو اپنے علم، تقویٰ اور تدبر سے جاری رکھا ہوا تھا۔ شیخ محمد بن سنان سے قرآنِ مجید حفظ کرنے کے بعد انھوں نے ۱۳۷۳ھ میں قراءت اور ابتدائی دینی مباحث پڑھے۔ اسی دوران خاندان کے بزرگ اور معروف مفتی سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم آلِ شیخ کے حلقۂ درس سے وابستگی نے ان کے فکری اور علمی رجحانات کو ایک مثبت سمت عطا کی۔ وہ ۱۳۷۴ھ سے ۱۳۸۰ھ تک ان کے زیرِ تربیت رہے اور کتاب التوحید، الأصول الثلاثۃ اور الأربعین النوویۃ جیسے بنیادی متون باقاعدہ پڑھ کر علمی بنیادوں کو مضبوط کیا۔

بعد کے برسوں میں انھیں شیخ عبدالعزیز بن باز جیسے بلند پایہ محدث اور فقہ و افتا کے عظیم المرتبت امام کی صحبت بھی نصیب ہوئی جن سے انھوں نے ۱۳۷۷ھ اور ۱۳۸۰ھ میں علمِ فرائض کے دقیق مباحث سمجھے اور جن کے درس نے ان کے اندر علمی سنجیدگی، مسئلہ فہمی اور فقہی توازن کو نئی جہتیں عطا کیں۔ شیخ نے ۱۳۷۵ھ اور ۱۳۷۶ھ میں شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ الشثری سے عمدۃ الأحکام اور زاد المستقنع جیسے اہم حدیثی

وفقہی کی تحصیل کی۔ ۱۳۷۹ھ میں انھوں نے شیخ عبد العزیز بن صالح المرشد سے فرائض، نحو اور توحید کے مضامین کا درس لیا۔ ان تمام اساتذہ کی علمی صحبت نے ان کی شخصیت کو ایک ایسے عالم کے طور پر تیار کیا جو روایتِ علم سے گہرے رشتے میں منسلک تھا اور جس کے مزاج میں نصوصِ شریعت کے فہم کے ساتھ ساتھ حکمتِ دین کا وقار بھی گندھا ہوا تھا۔

رسمی تعلیم کے ابتدائی مرحلے میں شیخ عبد العزیز آلِ شیخ نے معہد امام الدعوۃ العلمی سے آغاز کیا جہاں وہ اصولِ دین، فقہ اور عربی زبان کی بنیادی تعلیم سے آراستہ ہوئے۔ بعد ازاں وہ جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ میں شریعہ کی اعلیٰ تعلیم کے لیے داخل ہوئے اور یہاں سے شریعہ اور عربی زبان میں بیچلر کی ڈگری حاصل کی۔ اس جامعہ کے اساتذہ اور علمی ماحول نے ان کے ذوقِ تحقیق اور فہم دین کو پختہ کیا۔ اسی تعلیم سے ان کے اندر فقہ، اصول اور دینی قیادت کے وہ اوصافِ عالیہ پیدا ہوئے جنھوں نے آگے چل کر ان کی علمی شخصیت کی بنیادوں کو مزید مستحکم کیا۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد شیخ عبد العزیز آلِ شیخ نے تدریس کو اپنے عملی سفر کا پہلا میدان بنایا۔ معہدِ امام الدعوۃ العلمی میں ان کی تقرری نے انھیں نو آموز علما کی علمی تربیت کا موقع دیا اور وہ یہاں کئی برس تک فقہ، اصول اور عربی زبان کے بنیادی مباحث پڑھاتے رہے۔ بعد میں انھوں نے جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ اور المعہد العالی للقضاء میں تدریسی ذمہ داریاں سنبھالیں جہاں ان کی تعلیم کا دل آویز اسلوب، علمی پختگی اور توضیحی انداز طلبہ کے لیے خاص کشش کے حامل تھے۔ درس و تدریس کے انھی مرحلوں میں ان کی علمی بصیرت، اعتدال اور فقہی فہم مزید نکھرتا گیا اور رفتہ رفتہ وہ ایسے استاد کے طور پر معروف ہوئے جن کے درس سے طلبہ کو دین کی بنیادوں کا درست فہم، فکری توازن اور علمی مباحث کو سمجھنے کا سلیقہ پیدا ہوتا تھا۔

امامت و خطابت کے میدان میں شیخ عبد العزیز آلِ شیخ کی خدمات بہت طویل عرصے پر محیط ہیں۔ انھوں نے ریاض کی مرکزی جامع مسجد میں سالہا سال خطابت کے فرائض انجام دیے اور مسجد نمرہ میں یومِ عرفہ کا خطبہ تقریباً پینتیس برس تک ان کے حصے میں آیا جو وعظ و ارشاد میں ان کے پُر تاثیر انداز اور علمی مقام کی روشن دلیل ہے۔ یہ اعزاز اس قدر طویل مدت تک تاریخِ اسلام میں کسی اور کو حاصل نہیں ہوا۔ وعظ و نصیحت میں ان کا طریقہ نہ خطیبانہ جوش پر مبنی تھا، نہ لفظی صنعت گری پر بلکہ سادگی، وقار اور دل میں اتر جانے والی حرارت ان کی خطابت کا امتیاز تھی۔ وہ آیات و احادیث کو نہایت سلاست کے ساتھ بیان کرتے اور سامعین کو جذبات

کے بجائے فہم، تذکیر اور عمل کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ ان کے خطبات کی بنیادی شان یہ تھی کہ وہ بات کم کہتے مگر مؤثر انداز میں کہتے اور دلوں میں فکر و اصلاح کا جذبہ بیدار کر دیتے۔

شیخ عبدالعزیز آلِ شیخ کے مزاج میں اہلِ علم کے لیے غیر معمولی احترام، محبت اور نیکی کا جذبہ تھا؛ چناں چہ جو ائمۂ علم مختلف اسباب سے حج ادا نہ کر سکے، شیخ مرحوم نے ان کی طرف سے حج کیا۔ انھوں نے ابن عبد البر المالکی، ابن حزم الظاہری، علامہ المنذری، امام نووی الشافعی اور ابن رجب الحنبلی کی طرف سے حج ادا کر کے علما کے ساتھ وہ محبت اور وفاد کھائی جو کم ہی کسی کو میسر ہوتی ہے۔

درس و ارشاد کے رسمی حلقوں کے ساتھ ساتھ شیخ عبدالعزیز آلِ شیخ نے ابلاغ کے جدید ذرائع کو بھی دین کی خدمت کا مؤثر وسیلہ بنایا۔ ریڈیو پر نشر ہونے والا پروگرام نور علی الدرب ان کی علمی شناخت بن گیا جہاں وہ نہایت دل جمعی اور وضاحت کے ساتھ عوام کے سوالات کا جواب دیتے اور لوگوں کے دینی اشکالات دور کرتے تھے۔ اسی طرح قومی نشریاتی چینلز پر ان کی نشستیں، فتاویٰ کے پروگرام اور موضوعاتی دروس ہزاروں اہلِ علم اور سامعین کے لیے رہ نمائی کا مستقل ذریعہ رہے۔ ان کی گفت گو میں غیر ضروری تفصیل کے بجائے مختصر، صاف اور دلیل کے ساتھ بیان کرنے کا سلیقہ نمایاں نظر آتا تھا۔ ان نشری دروس نے ان کے علمی اثر کو محدود حلقوں سے نکال کر پوری مسلم دنیا تک پہنچایا؛ ان کے بیانات دل میں اترتے اور ذہن کو روشن کر دیتے تھے۔

افتا اور تحقیق کے میدان میں شیخ عبدالعزیز آلِ شیخ کی خدمات نہایت وسیع اور قابلِ قدر ہیں۔ ان کی فقہی و علمی بصیرت ہی کی بنا پر انھیں هيئة كبار العلماء کی رکنیت کے لیے منتخب کیا گیا۔ کچھ عرصے بعد وہ اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء کے رکن مقرر ہوئے جہاں ان کے فتاویٰ، علمی آرا اور شریعت کے دقیق مسائل میں ان کے بصیرت افروز تحقیقات کو خاص اہمیت حاصل رہی۔ علمی مجالس میں ان کا انداز ہمیشہ متوازن، واضح اور نصوصِ شرعیہ کے ساتھ گہری وابستگی پر قائم رہتا تھا۔ انھی اوصاف کے باعث بالآخر وہ سعودی عرب کے مفتیِ اعظم کے منصب تک پہنچے اور سعودی عرب کی اعلیٰ دینی قیادت یعنی هيئة كبار العلماء اور رئاسة البحوث العلمية والإفتاء کے سربراہ کی حیثیت سے ایک طویل دور تک امت کی فکری و علمی رہ نمائی کرتے رہے۔

شیخ عبدالعزیز آلِ شیخ کے علمی و فقہی منہاج کی نمایاں خصوصیت وضاحت، احتیاط اور نصوصِ شرعیہ پر کامل اعتماد تھا۔ وہ کسی مسئلے میں جلد بازی اور عجلت میں رائے دینے کے قائل نہ تھے بل کہ دلیلِ شرعی، سابقہ

اقوالِ ائمہ اور حالاتِ زمانہ تینوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرتے۔ ان کے فتاویٰ میں اس بات کا خاص اہتمام ملتا ہے کہ عوام کے لیے سہولت پیدا ہو اور ساتھ ہی شریعت کے حدود بھی برقرار رہیں۔ مشکل مسائل میں ان کا موقف نہ تو سختی اور شدت کا عکاس ہوتا اور نہ بے جا توسع اور آزادی کا آئینہ دار بل کہ اعتدال، حکمت اور حقیقت پسندی ان کے طرزِ استدلال کا مستقل وصف تھی۔ یہی توازن ان کی علمی رہ نمائی کو قابلِ اعتماد بناتا تھا اور اسی کے باعث ان کی آرا نہ صرف سعودی عرب میں بل کہ پورے عالمِ اسلام میں سنجیدگی سے دیکھی اور سنی جاتی تھیں۔

تصنیف و تالیف کے میدان میں اگرچہ شیخ عبدالعزیز آلِ شیخ نے زیادہ تر دروس، خطبات اور فتاویٰ ہی کو اپنا ذریعۂ اظہار بنایا مگر ان کی یہی گفت گوئیں بعد میں مستقل مجموعوں کی صورت اختیار کر گئیں۔ عقیدہ، عبادات، حج، زکات، روزہ اور مسائلِ طہارت سے متعلق ان کے بیانات اور فتاویٰ کئی کتابوں میں مرتب ہو چکے ہیں جو آج بھی علما اور طلبہ کے لیے معتبر مراجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خطباتِ عرفہ کا سلسلہ خصوصاً اہم ہے جن میں وہ ہر سال امت کو نصیحت، اتحاد، تقویٰ اور عدل و احسان کی طرف متوجہ کیا کرتے تھے۔ ان کے یہ خطبات ایک مستقل مجموعے کی شکل میں الجامع لخطب عرفۃ کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں۔

فتاویٰ نور علی الدرب کے سلسلے کے تحت شیخ کے فتووں کا ایک جامع مجموعہ کئی جلدوں میں طبع ہوا ہے۔ اسی طرح فتاویٰ الصیام، فتاویٰ الحج، فتاویٰ الزکاۃ اور فتاویٰ الطہارۃ کے عنوانات سے مخصوص فقہی مباحث کو الگ الگ مرتب کر کے بھی طبع کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ ان کی بعض مختصر تالیفات بھی اہلِ علم میں مقبول ہیں جن میں الكتاب الله تعالىٰ ومكانتُه العظيمة اور حقيقة شهادة أنَّ محمداً رسولُ الله جیسے رسائل خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

شیخ عبدالعزیز آلِ شیخ کی رحلت صرف ایک شخص کی جدائی نہیں بل کہ ایک عہد کا خاتمہ ہے؛ انھوں نے تمام عمر دین و ملت کی خدمت میں بسر کی اور ہمیشہ امت کی خیر و اصلاح کے لیے کوشاں رہے۔ اپنے حکیمانہ اسلوب، علمی وقار اور اخلاص کے ساتھ انھوں نے جس طور اہلِ اسلام کی رہ نمائی کا فریضہ انجام دیا، وہ آیندہ نسلوں کے لیے بھی ایک روشن مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، ان کی لغزشوں کو معاف کرے، درجات بلند کرے اور ان کی دینی خدمات کو قبول فرمائے؛ آمین۔

دکتور زغلول النجار مصری کی وفات

ماہِ نومبر 2025 کی 9 تاریخ کو دکتور زغلول النجار بانوے برس کی عمر میں اردن کے دارالحکومت عمان میں انتقال کر گئے۔ وہ اپنے فکری منہاج، دینی وابستگی اور فکر اسلامی میں نمایاں خدمات کے باعث علمی حلقوں میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی وفات سے وہ آواز خاموش ہو گئی جس نے نصف صدی تک اہلِ علم اور نوجوان نسل کو قرآن کے فکری افق اور کائنات کے اسرار پر غور وفکر کی دعوت دی۔

دکتور زغلول النجار کی ولادت 17 نومبر 1933 کو مصر کے صوبۂ غربیہ میں ایک علمی اور دینی ماحول میں ہوئی۔ ان کے دادا امام مسجد تھے اور والد اور چچا ازہر کے فضلا تھے۔ انھوں نے آٹھ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور والد کی نگرانی میں ابتدائی علوم میں امتیاز حاصل کیا۔ اعلیٰ تعلیمی مراحل میں ان کی علمی قابلیت مزید نکھری اور انھوں نے عربی زبان وادب کے ساتھ ساتھ طبیعی علوم سے بھی گہری دل چسپی لینا شروع کر دی۔ 1955ء میں قاہرہ یونی ورسٹی سے علوم ارض (Geology) میں گریجویشن کیا اور اس میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اسی میدان میں مزید تحقیق کے لیے وہ برطانیہ گئے اور University of Wales سے 1963ء میں پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی۔ ارضیات کے تحقیقاتی مباحث، خصوصاً وادیِ نیل کے طبقاتِ ارض اور قدیم حیاتیاتی آثار پر ان کا کام بین الاقوامی جامعات میں بہ طورِ حوالہ اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

وہ تحریکی رجحانات بھی رکھتے تھے اور جمال عبد الناصر کے عہد میں الاخوان المسلمون سے وابستگی کی بنا پر نو ماہ قید بھی رہے، جہاں اسلامی تحریک کے متعدد قائدین سے ان کی ملاقاتیں رہیں۔ ان کی زندگی کا ایک اہم مرحلہ وہ تھا جب وہ ستر کی دہائی میں امریکا گئے اور یونی ورسٹی آف کیلیفورنیا میں پروفیسر کی حیثیت سے کام کیا۔ اس دوران وہ امریکا کی مختلف یونی ورسٹیوں میں گئے، علمی نشستوں میں شریک ہوئے اور متعدد مقامات پر فلسطین کے مسئلے پر لیکچر زدیے۔ وہ اپنی پوری زندگی اس قضیے کے ثابت قدم حامی اور پر جوش ترجمان رہے۔

انھوں نے مختلف ملکوں کی اہم جامعات میں خدمات سرانجام دیں۔ وہ قطر یونی ورسٹی میں شعبۂ ارضیات کے سربراہ رہے؛ سعودی عرب میں کنگ فہد یونی ورسٹی آف پیٹرولیم اینڈ منرلز میں تدریس کی؛ یمن کی الاحقاف یونی ورسٹی کے علمی نظم میں شریک رہے اور امریکا کی کیلیفورنیا یونی ورسٹی (یو سی ایل اے) میں بہ طور وزٹنگ پروفیسر کام کیا۔ اسی طرح اردن اور مصر کی متعدد علمی مجالس اور تحقیقی اداروں سے بھی ان کی وابستگی رہی۔ ان کی علمی ودعوتی خدمات کے اعتراف میں انھیں مصطفیٰ برکہ ایوارڈ برائے علوم ارض دیا گیا اور 2006

میں دبئی انٹر نیشنل قرآن ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ وہ اسلامی سائنسی اکیڈمی کے فیلو اور متعدد عالمی ارضیاتی انجمنوں کے رکن رہے۔

بیسویں صدی میں جب جدید علوم کی ترقی نے انسانی فکر کے سامنے نئے سوالات کھڑے کیے تو مذہب اور سائنس کی تطبیق کا ایک خاص رجحان پیدا ہوا۔ مسلم دنیا میں خصوصاً قرآن کریم کی سائنسی تفسیر کا بڑا غلغلہ اٹھا اور متعدد اہلِ علم نے یہ کوشش کی کہ کائنات کے نئے انکشافات کو قرآن کے بیانیے سے ہم آہنگ کرکے دکھایا جائے۔ دکتور زغلول النجار اس رجحان کی نمایاں ترجمانوں میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ رابطۃ العالم الاسلامی کے ذیلی ادارے الهيئة العالمية للإعجاز العلمي في القرآن والسنة النبوية (قرآن وسنت میں سائنسی اعجاز کی عالمی مجلس) کے بانی اراکین میں شامل تھے۔ ارضیات اور طبیعی علوم میں ان کی مہارت اور قرآن کے ساتھ گہری وابستگی نے انھیں اس طرف مائل کیا کہ جدید سائنسی حقائق کو آیاتِ قرآنیہ کے تناظر میں سمجھا جائے اور اس سے قرآن کی صداقت کو واضح کیا جائے۔ ان کی درجنوں تصانیف اور بے شمار مقالات میں یہی زاویۂ فکر غالب ہے۔ وہ کائنات کی تخلیق، زمین کی ساخت، حیاتیاتی ارتقا، فلکی حرکیات اور طبیعی قوانین جیسے مباحث کو قرآنی آیات کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ جدید سائنس، اپنے درست استعمال کی صورت میں، وحیِ الٰہی کے بیانات کی تائید کرتی ہے۔ اس رجحان نے عوام اور تعلیم یافتہ نوجوانوں میں قرآن فہمی کا ایک نیا ذوق ضرور پیدا کیا اور پیچیدہ سائنسی مباحث کو سادہ زبان میں بیان کرنے کی ان کی صلاحیت نے ان کی تحریر اور گفت گو کو بہت مقبولیت بھی دلوائی۔

دکتور زغلول النجار نے اپنے اسی نقطۂ نظر کو ثابت کرنے کے لیے چالیس سے زائد کتابیں اور ڈیڑھ سو سے زیادہ مقالات تحریر کیے۔ الاعجاز العلمی فی القرآن، الاعجاز العلمی فی السنۃ، حقائق علمیۃ فی القرآن اور من آیات الإعجاز فی الکون جیسی تصانیف عرب دنیا میں نہایت مقبول رہیں۔ اسی سلسلے میں سنن اللہ فی الآفاق، اسماء اللہ الحسنیٰ بین العلم والإیمان، من أسرار القرآن اور التناسق البدیع بین الکتاب المنظور والکتاب المسطور جیسی کتابوں نے بھی وسیع پذیرائی حاصل کی اور ان کے اس رجحان کو مزید عام کیا۔ لہٰذا ان تحریروں میں وہ کائنات کے مختلف مظاہر اور جدید سائنسی معلومات کو آیاتِ قرآنیہ پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ میڈیا، جامعات اور بین الاقوامی سیمی ناروں میں ان کے خطابات نے بھی اس طرزِ فکر کو وسیع پیمانے پر فروغ دیا اور بہت سے نوجوانوں میں قرآن فہمی کا نیا ذوق پیدا ہوا۔

دکتور زغلول النجار کی نیت، اخلاص، قرآن سے محبت اور جدید تعلیم یافتہ طبقے کو دین کے قریب لانے کی خواہش اپنی جگہ نہایت قابل قدر ہے اور یہی وہ جذبہ تھا جس نے انھیں ارضیات کے میدان سے آگے بڑھ کر قرآن کے سائنسی اعجاز کے مباحث کی طرف متوجہ کیا مگر ان کا یہ اندازِ فکر پورے طور سے قابل قبول نہیں گردانا جاسکتا بل کہ یہ بحث ونظر کا متقاضی ہے۔

قرآن مجید اصلاً کتابِ ہدایت ہے نہ کہ سائنسی بیانات کا مجموعہ؛ اور نہ اس کا مقصد جدید نظریات کی توثیق کرنا ہے۔ دکتور النجار نے جیالوجی میں اپنی مہارت اور جدید طبیعی علوم کے مشاہدات کو قرآن کی آیات کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی لیکن اس طرزِ استدلال کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ سائنس کی ماہیت تغیر پذیر ہے۔ جب قرآنی آیات کو کسی مخصوص سائنسی نظریے کے ساتھ مربوط کر دیا جائے تو جیسے ہی سائنسی تحقیق آگے بڑھتی ہے، پہلے سے قائم کی گئی مطابقت خود قرآن کے بیان کو مشتبہ بنا دیتی ہے حالاں کہ اصل کمزوری قرآنی متن میں نہیں بل کہ اس تطبیقی منہج میں ہوتی ہے۔ اس کا دوسرا اثر یہ پڑتا ہے کہ ایمان بالغیب کی اساس کمزور پڑ جاتی ہے کیوں کہ وحی کی صداقت کا مدار سائنسی شہادت پر رکھ دیا جاتا ہے جب کہ قرآن کا مقصد تدبر، تذکیر اور اخلاقی وروحانی راستے کی طرف انسان کی رہ نمائی کرنا ہے نہ کہ تجرباتی سائنس کا حوالہ بننا۔ مزید یہ کہ اس طرزِ بیان سے معاندین کو بھی یہ موقع مل جاتا ہے کہ وہ عارضی سائنسی معلومات کو بنیاد بنا کر قرآن پر اعتراضات کھڑے کریں۔ اس لیے دکتور النجار کے جذبے اور ان کی مخلصانہ کوششوں کا اعتراف کرتے ہوئے یہ کہنا ناگزیر ہے کہ اعجازِ علمی کا منہج علمی احتیاط کے معیار پر پورا نہیں اترتا اور تفسیر ودعوت کے معتبر اصولوں کے مطابق اسے مضبوط طریقۂ استدلال نہیں کہا جاسکتا۔

رب کریم ان کی علمی ودعوتی کاوشوں کو قبول فرمائے؛ بشری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا کرے؛ آمین۔

دکتور احمد عمر ہاشم کی وفات

علم حدیث کے ممتاز ماہر اور جامعہ ازہر کے سابق صدر دکتور احمد عمر ہاشم 7 اکتوبر 2025ء کو قاہرہ میں وفات پا گئے۔ وہ 6 فروری 1941 کو پیدا ہوئے اور علم وفکر اور تعلیم ودعوت کے انس وحرارت سے بھرپور زندگی گزارنے کے بعد چوراسی برس سے زائد کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ وہ مجلس البحوث العلمیۃ اور ازہر شریف کی ھیئۃ کبار العلما کے معزز رکن بھی رہے اور معاصر علمی دنیا میں ایک روشن مقام

رکھتے تھے۔ حسنی مبارک کے دور میں وہ مصری پارلیمان کے رکن بھی رہے۔

دس برس کی عمر میں حفظ قرآن مجید کی تکمیل کے بعد انھوں نے زیادہ تر تعلیم ازہر ہی سے حاصل کی اور 1961ء میں جامعہ ازہر کے کلیۂ اصول الدین سے فراغت پائی۔ پھر 1969ء میں ایم اے اور 1973ء میں پی ایچ ڈی کی سند امتیاز کے ساتھ حاصل کی۔ علوم حدیث ان کا اختصاصی میدان تھا اور اس فن میں ان کی متعدد محققانہ تصانیف ہیں۔ مرحوم نے فیض الباری کے نام سے صحیح بخاری کی شرح لکھی جو آٹھ ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے۔ دیگر کتابوں میں السنة النبوية وعلومها، قواعد أصول الحديث، المحدثون في مصر والأزهر، قبس من الحديث النبوي، أزمة الخليج في ميزان الإسلام، محنة الخليج، مناهج المحدثين خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ حدیث و سنت، سیرتِ طیبہ اور فکرِ اسلامی کے دیگر موضوعات پر ان کی علمی نگارشات درجنوں میں ہیں جو فکری حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

تدریس و تعلیم ان کی زندگی کا مرکزی محور تھا۔ انھوں نے ازہر کی مختلف کلیات میں تدریس سے آغاز کیا؛ پھر 1987 میں کلیۂ اصول الدین زقازیق کے ڈین مقرر ہوئے۔ 1995ء سے 2003ء تک وہ جامعہ ازہر کے صدر رہے۔ وہ اپنے طلبہ کے درمیان ایک نرم خو اور شفیق استاد کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔

ان کی شخصیت کا ایک خوب صورت پہلو ان کا ادبی ذوق تھا۔ وہ خطیب بھی تھے اور شاعر بھی۔ ان کی شاعری کا دیوان نسمات ایمانیة کے نام سے چھپ چکا ہے جس کے اشعار محبتِ رسول ﷺ اور ایمانی لطافت سے لبریز ہیں۔ منبر ہو یا میڈیا، جہاں بھی اظہار کا موقع ملا، وہاں ان کے بیان میں فصاحت، تاثیر اور حسنِ ادا کے اوصاف نمایاں دکھائی دیتے تھے۔

فکری اعتدال، علمی وقار اور مزاج کی نرمی ان کی شخصیت کے بنیادی عناصر تھے۔ وہ ہمیشہ معتدل اسلامی فکر کے نمایندہ رہے اور اپنے خطبات و بیانات میں انتہا پسندی اور شدت کو دلیل اور نرمی کے ساتھ رد کرتے رہے۔ ان کے اسلوب میں علم و تحقیق کے ساتھ تربیت و اصلاح کا رنگ بھی نمایاں تھا۔ وہ برسوں تک مصری ذرائع ابلاغ پر معتدل مذہبی نظریات کے ترجمان رہے اور عالمی سطح پر متعدد علمی فورمز میں ازہر کی نمایندگی کرتے رہے۔

قرآن و سنت اور اسلامی علوم سے متعلق ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں انھیں کئی قومی و بین الاقوامی اعزازات سے نوازا گیا جن میں جائزة الدولة التقديرية، وسام العلوم والفنون اور جائزة دبي الدولية للقرآن الكريم شامل ہیں۔

صحیح مسند ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تبصرہ: عبدالرحمن عزیز

نام کتاب	صحیح مسند ازواج النبی ﷺ
مصنف	پروفیسر مولانا محمد رفیق
ناشر	مکتبہ قرآنیات، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ ۰۳۲۱۷۷۲۴۰۳۲

اسلام، رسول اللہ ﷺ کی ذات سے وابستہ ہے، آپ ﷺ کے قول، فعل، تقریر اور خُلقی صفات کا نام ہے۔ جس بات کی بھی نسبت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو جائے وہ دین بن جاتی ہے۔ اور جس بات کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی ذات گرام سے ثابت نہ ہو وہ اپنی تمام تر خوبصورتی اور سچائی کے باوجود دین نہیں بن سکتی۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات گرام اور آپ سے وابستہ چیزوں کی اسی اہمیت کے پیش نظر صحابہ کرام نے قرآن مجید کو ایک صحیفہ میں تحریر کیا، اسی طرح احادیث رسول کو لکھا بھی اور روایت بھی کیا۔ اسے ہر قسم کی کمی و بیشی سے محفوظ رکھنے کے لیے اسماء الرجال، الجرح والتعدیل، اصول حدیث اور علوم الحدیث جیسے کئی علوم و فنون ایجاد کیے اور ان کے اطلاقات سے صحیح اور ضعیف کو چھانٹ کر الگ کر دیا۔

علماء محدثین نے انسانوں کے مختلف مزاج اور ضرورتوں کے پیش نظر مختلف انداز سے کتابیں مرتب کیں۔ بعض انسانی مسائل کو بنیاد بنا کر ابواب پر کتب حدیث کو مرتب کیا، بعض نے حدیث کی تفہیم کے لیے احادیث کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کے آثار کو بھی جمع کر دیا، ایسی کتب کو مصنف کہتے ہیں جیسے مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ، بعض نے ایک استاذ کی تمام روایات پر کتب ترتیب دیں، ایسی کتب کو مسند کہا جاتا ہے، جیسا مسند طیالسی، مسند الحمیدی، مسند احمد بن حنبل وغیرہ۔ بعض علماء کرام نے بعض مناسبات سے صحابہ کرام کے مختلف گروہوں کی روایت کردہ احادیث کے مجموعے تیار کیے، جیسے مسند الشامیین، مسند المدنیین، مسند الانصار وغیرہ۔ ترتیب احادیث اور مجموعات روایات کا یہ مبارک سلسلہ آج تک چل رہا ہے۔

ایسی ہی ایک کتاب ہمارے سامنے ہے "صحیح مسند ازواج النبی ﷺ" جسے پروفیسر مولانا محمد رفیق نے ترتیب دیا ہے۔ "مسند ازواج النبی ﷺ" کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نجی اور گھریلو

معاملات کی رواتا اکثر آپ کی ازواج ہی کے مرہون منت امت تک پہنچی ہیں۔ اور سچ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کثرت ازدواج کی ایک بڑی وجہ بھی یہی تھی کہ نجی معاملات میں بھی آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ امت سے اوجھل نہ رہے۔ اور امہات المؤمنین نے اس ذمہ داری کا حق ادا کر دیا ہے۔

مصنف علم میں راسخ اور قلم کار بلکہ پختہ کار ہیں۔ قرآن مجید کے حوالے سے بھی آپ کی خدمات ہیں اور حدیث کے حوالے سے بھی، اور دفاع حدیث کے تو آپ صف اول کے سپاہی ہیں۔

اس سے پہلے آپ قرآن مجید کا لفظی اور بامحاورہ ترجمہ کر چکے ہیں، "تفسیر البلاغ" کے نام سے ۱۰ جلدوں میں قرآن مجید کی ایک جامع تفسیر لکھ چکے ہیں، اس کے علاوہ قرآن مجید کا انگلش زبان میں بھی ترجمہ کیا ہے۔ خدمتِ حدیث میں آپ کے قلم سے "آسان علوم حدیث، احادیث قدسیہ، اللؤلؤ والمرجان (اردو ترجمہ) صحیفہ ہمام بن منبہ (اردو ترجمہ) درسِ حدیث (دو جلدوں میں احادیث کا مجموعہ مع ترجمہ و تشریح)" آپ کے قلم سے نکل کر چھپ چکی ہیں اور اب زیر تبصرہ کتاب "صحیح مسند ازواج النبی ﷺ" آپ کی نئی کاوش ہے۔

اس مجموعہ میں درج ذیل امور کا اہتمام کیا گیا ہے:

۱. صرف صحیح احادیث کا التزام کیا ہے، ضعیف احادیث کو اس میں جگہ نہیں دی گئی۔
۲. ہر حدیث کا مکمل حوالہ دیا گیا ہے۔
۳. ازواج النبی ﷺ کی روایات کی وجہ سے یہ مسند ہے، لیکن مسائل کی سہل نشان دہی کے لیے احادیث کو فقہی ابواب بندی کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔
۴. تمام احادیث کا آسان اور عام فہم اردو زبان میں ترجمہ اور نوٹ کے عنوان سے ضرورت کے مطابق ہلکی پھلکی تشریح بھی کی گئی ہے۔
۵. ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مختصر حالاتِ زندگی بھی شامل کیے ہیں۔
۶. فہرست مضامین کے علاوہ کتاب میں مذکور تمام احادیث کا ایک جامع اور مکمل اشاریہ (Index) بھی بنا کر کتاب کے آخر میں لگا دیا گیا ہے، تاکہ کوئی مطلوبہ حدیث تلاش کرنے میں سہولت رہے۔

یہ کتاب ایک طرف ازواج مطہرات کے احوال زندگی اور ان مقدس ہستیوں کی مسند رویات کا ایک انسائکلوپیڈیا بن گیا ہے۔ اسے مناسب کاغذ، مظبوط جلد اور خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ ۴۳۵ صفحات میں پیش کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اسے طلبہ علم کے لیے دینی روشنی کا ذریعہ اور مصنف کے لیے توشہ دنیا اور ذخیرہ آخرت بنائے۔

اشاریہ ماہنامہ محدث

(فروری ۲۰۱۴ تا اکتوبر ۲۰۲۵)

جلد ۴۶، عدد ۱ تا جلد ۵۶ عدد ۵   شمارہ نمبر ۳۶۴ تا ۴۰۱

محمد شاہد حنیف[1]

قرآن و علومِ قرآن

محمد رفیق چودھری	فواتح السور (قرآنی سورتوں کے افتتاحی کلمات) کی تقسیم اور بعض اعجازی پہلو	دسمبر ۱۴/ ۲۳ تا ۳۰
محمد نعمان فاروقی	آیاتِ قرآنیہ کے نام اور ان کے بعض احکام	اگست ۱۵/ ۲۴ تا ۳۶
محمد زبیر، حافظ ڈاکٹر	قرآنی الفاظ کی اپنے معانی پر دلالت میں قطعیت اور ظنیت	اپریل ۱۶/ ۶۷ تا ۸۰
ابتسام الٰہی ظہیر	قرآن کریم کے حقوق اور ملّی اخوت کی اہمیت [دو اہم خطبات]	نومبر ۲۰۱۹/ ۷۹ تا ۸۲
عبد الرحمٰن مدنی، حافظ، ڈاکٹر	جمع قرآنی کا ارتقا اور ائمہ قراء کے اختیارات کا مسئلہ (انٹرویو) [مرتب: حافظ محمد زبیر]	جون ۲۰۲۴/ ۱۲ تا ۲۷
عبد الاعلیٰ درانی، حافظ	علوم تجوید و قراءات کی فرضیت	اپریل ۲۵/ ۳۲ تا ۴۲
حسن مدنی، ڈاکٹر	تلاوتِ قرآن کا نبویؐ طریقہ [چالیس احادیث کی روشنی میں]	اپریل ۲۰۱۶/ ۳۱ تا ۵۰

حدیث و علومِ حدیث

سمیع اللہ سعدی	دورِ جدید کا حدیثی لٹریچر: ایک تعارفی جائزہ	مارچ ۲۰۱۸/ ۲۶ تا ۴۰
عبد الرحمٰن مدنی	شرح کتاب التوحید (صحیح بخاری) [م: عبد الرحمن عزیز]-۳	جنوری ۲۳/ ۱۰۵ تا ۱۲۰
عبد الرحمٰن مدنی	شرح کتاب التوحید (صحیح بخاری) [م: عبد الرحمن عزیز]-۴	جون ۲۰۲۴/ ۶ تا ۱۱
عبد الرحمٰن مدنی	شرح کتاب التوحید (صحیح بخاری) [م: عبد الرحمن عزیز]-۵	اگست ۲۰۲۴/ ۵ تا ۱۲

[1] ایم ایل آئی ایس، انچارج شعبہ رسائل و جرائد محدث لائبریری

عبدالرحمٰن مدنی	شرح کتاب التوحید (صحیح بخاری)[م: عبدالرحمن عزیز]-۶	اکتوبر ۲۴/ ۳۴تا۳۸
عبدالرحمٰن مدنی	شرح کتاب التوحید (صحیح بخاری)[م: عبدالرحمن عزیز]-۷	دسمبر ۲۰۲۴/ ۱۰تا۱۹
عبدالرحمٰن مدنی	شرح کتاب التوحید (صحیح بخاری)[م: عبدالرحمن عزیز]-۸	فروری ۲۵/ ۱۸تا۲۷
عبدالرحمٰن مدنی	شرح کتاب التوحید (صحیح بخاری)[م: عبدالرحمن عزیز]-۹	اپریل ۲۰۲۵/ ۱۱تا۱۷
عبدالرحمٰن مدنی	شرح کتاب التوحید (صحیح بخاری)[م: عبدالرحمن عزیز]-۱۰	جون ۲۰۲۵/ ۱۴تا۲۷
عبدالرحمٰن مدنی	شرح کتاب التوحید (صحیح بخاری)[م: عبدالرحمن عزیز]-۱۱	اگست ۲۰۲۵/ ۱۱تا۱۷

فکر اصلاحی

صلاح الدین یوسف	تفسیر "تدبر قرآن" کے بارے میں حسن ظن اور مولانا اصلاحی کے تضادات	مارچ ۲۰۱۷/ ۶۰تا۸۰
صلاح الدین یوسف	مولانا (امین احسن اصلاحی) صاحب کی "شرح بخاری": خدمتِ حدیث یا انکارِ حدیث؟	نومبر ۲۰۱۷/ ۶۶تا۸۲
محمد رفیق، پروفیسر	مولانا اصلاحی اور اجماعِ اُمت کا انکار	جون ۲۰۲۵/ ۲۸تا۳۵
محمد رفیق، پروفیسر	تفسیر "تدبر قرآن" میں فکری تضادات وتناقضات-۱	اگست ۲۰۲۵/ ۵۶
محمد رفیق، پروفیسر	تفسیر "تدبر قرآن" میں فکری تضادات وتناقضات-۲	اکتوبر ۲۵/ ۳۹تا۴۳

ایمان وعقائد

حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	اللہ کی کامل بندگی ہی تمام مسائل کا حل ہے [اداریہ]	اپریل ۲۰۱۴/ ۲تا۳۱
روح اللہ مدنی	خلافتِ راشدہؓ اور فلاحِ عامہ [ملک میں حالیہ سیلاب اور حکمران/ اداریہ]	اکتوبر ۲۰۱۴/ ۲تا۳۵
سلمان بن حمد بطحی	نصرتِ مصطفیٰ کے سو طریقے [مترجم: (محمد) نعمان فاروقی]	اپریل ۱۵/ ۳۸تا۵۰
سالم بن سعد الطویل	لا الٰہ الا اللہ کے ذریعے تجدید عہد کے مواقع [مترجم: ابوبکر عتیق، حافظ]	جون ۲۰۱۸/ ۳۵تا۴۸
محمد نعمان فاروقی	ضمنی علاماتِ قیامت	نومبر ۲۰۲۰/ ۱۸تا۲۸

ایمان بالرسالت

محمد زبیر، حافظ ڈاکٹر	شیخ ابن عربی کا تصورِ ختم نبوت	دسمبر ۲۴/ ۴۶تا۵۲
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	قانون توہین رسالتؐ: دو انتہاؤں کے درمیان [اداریہ]	مارچ ۲۰۱۷/ ۴تا۲۸
محمد خان قادری، مفتی	قانون توہین رسالتؐ کے غلط استعمال پر نظر ثانی کا مسئلہ	مارچ ۲۰۱۷/ ۳۹تا۴۲

عبادات

عمران الٰہی، حافظ	روزوں کی قضا اور فدیہ کے بارے میں فتاویٰ	اگست ۱۴/ ۳۷تا۴۴
عتیق امجد، ڈاکٹر + زاہدہ شبنم، ڈاکٹر	قاعد امام کی امامت میں نماز [بیٹھ کر نماز پڑھانے والے کی امامت کا مسئلہ]	اکتوبر ۲۰۱۴/ ۳۶تا۵۵
محمد بن صالح العثیمین	سجدہ سہو: احکام و مسائل اور مختلف صورتیں	دسمبر ۲۰۱۴/ ۳۱تا۴۲
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	زکوٰۃ کو اجتماعی طور پر جمع کرنا اور اس کی سرمایہ کاری کر کے تقسیم کرنا؟ [اداریہ]	جون ۲۰۱۵/ ۴تا۲۴
محمد صالح المنجد، الشیخ	رمضان المبارک سے متعلقہ اہم فتاویٰ	جون ۲۰۱۵/ ۲۵تا۳۵
عمر فاروق سعیدی	سفر حج میں مسلمان خاتون کے لیے محرم کی لازمی شرط!	اگست ۱۵/ ۳۷تا۴۴
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	انتہا پسندی اور سلفی عقائد [اداریہ]	جنوری ۲۰۱۷/ ۲تا۲۷
شفیق الرحمٰن زاہد	انتہا پسندی، فرقہ واریت اور تشدد کے انسداد میں دینی جامعات کا کردار	جنوری ۲۰۱۷/ ۶۴تا۸۲
طاہر الاسلام عسکری	فکری محاذ پر اصطلاحات کی جنگ [متجددین اور عصر حاضر کا ایک فتنہ]	مارچ ۲۰۱۷/ ۵۶تا۵۹
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	رمضان المبارک کے مسنون انفرادی و اجتماعی اعمال	مئی ۲۰۱۷/ ۱۸تا۳۶
عبد الرحمٰن السدیس	دہشت گردی اسلام سے متصادم ہے	جولائی ۱۷/ ۵۹تا۸۲
عبد الرحمٰن السدیس	دہشت گردانہ طرزِ فکر کے مغالطے اور ان کی وضاحت	ستمبر ۲۰۱۷/ ۴۷تا۶۲
محمد مصطفیٰ راسخ	تشہدِ صلوٰۃ میں انگشتِ شہادت سے حرکت کی کیفیت	مارچ ۲۰۱۸/ ۴۱تا۵۶

سرطان عادل سرطان	تکفیر، جہاد اور حساس مسائل پر امام ابن تیمیہ، عدالتی کٹہرے میں [مترجم: عبدالحنان کیلانی]	جون ۲۰۱۹/ ۲۱تا۲۹
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	اقوامِ متحدہ کے حقِ خود ارادی اور "جہادِ اسلامی" کا مطالعہ	فروری ۲۰/ ۸۰تا۸۹
حسن فرخ، قاری	سورۃ الفاتحہ میں غلطی کرنے والے کی اقتدا	فروری ۲۵/ ۲۸تا۳۶
حمزہ مدنی، حافظ ڈاکٹر	نماز میں مختلف قراءات پڑھنے کا مسئلہ	اگست ۲۵/ ۳۹تا۴۶

فقہ و اجتہاد

طاہر الاسلام عسکری، حافظ (مبصر)	اہل حدیث کا منہج اور احناف سے اختلاف کی حقیقت از صلاح الدین یوسف	فروری ۲۰۱۴/ ۱۰۵تا۱۱۰
عبدالجبار سلفی، مولانا	طائفہ منصورہ اہل حدیث کی مساعی مشکورہ پر ائمہ اسلام کا خراجِ تحسین	اپریل ۲۰۱۴/ ۸۸تا۹۵
عبدالرحمٰن عزیز	آدابِ اختلاف اور دعوتِ دین [تربیتی نشست سے علما کے خطبات]-۲	اگست ۲۰۱۹/ ۷۳تا۸۲
محمد زبیر، حافظ ڈاکٹر	تعامل بین المسالک اور سلفی علما کا منہج [اداریہ]	اکتوبر ۲۰۲۴/ ۲تا۳۳
محمد ناصر الدین البانی، الشیخ	کیا بدعتی شخص۔۔۔[اسلامی اور سیاسی جماعتوں کے بارے میں سوالات کے جوابات]	اکتوبر ۲۰۲۴/ ۳۹تا۴۸
محمد یٰسین ظفر، پروفیسر	اختلاف میں آداب کا خیال رکھیے!	دسمبر ۲۰۲۴/ ۷تا۹
عبید الرحمٰن محسن	قرآن وسنت کی تشریح میں فہم سلف کی اہمیت	دسمبر ۲۴/ ۲۰تا۴۵

فقہی مسائل

عبدالرؤف سندھو	قیامت کے دن لوگوں کو کیا ماؤں کے نام سے بلایا جائے گا؟	دسمبر ۲۰۱۴/ ۴۳تا۵۱
محمد نعمان فاروقی	فتنہ: مفہوم، وسعت اور طرزِ عمل	اپریل ۱۵/ ۶۳تا۷۲
شفیق الرحمٰن زاہد	جادو، جنات اور اُن کے شرعی معالج وعلاج	جون ۲۰۱۵/ ۶۵تا۷۸
شفیق الرحمٰن زاہد	جادو کے انواع واقسام اور جنات چمٹنے کے اسباب	اگست ۱۵/ ۴۵تا۵۴

علی بن نفیع عیانی	قرآنی آیات اور ماثور دعاؤں سے بنے تعویذ اور اُن کا حکم	اگست ۱۵/ ۵۵تا۶۲
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	کفریہ معابد کی تعمیر و تجدید اور شریعتِ اسلامیہ [وطن عزیز میں مندر و غیرہ کی تعمیر کے پس منظر میں / اداریہ]	نومبر ۲۰۱۹/ ۴تا۲۶
ابراہیم بن سلیمان، الشیخ	بلادِ اسلامیہ میں کفریہ معابد (مندر وغیرہ) کے احکام [مترجم: حافظ حسن مدنی]	نومبر ۲۰۱۹/ ۲۷تا۳۵
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	اسلام آباد میں نئے مندر کی تعمیر کا مسئلہ [اداریہ]	نومبر ۲۰۲۰/ ۴تا۱۷
محمد رفیق طاہر	کفار کی مصنوعات کا بائیکاٹ	دسمبر ۲۴/ ۵۳تا۵۹
عبدالرحمٰن عزیز	مسجد میں نکاح کے معاشی اور معاشرتی فوائد	جون ۲۰۲۵/ ۳۶تا۴۸
عبیدالرحمٰن بشیر، ڈاکٹر	مسجد میں نکاح: ایک ماڈل مسجد	جون ۲۰۲۵/ ۴۹تا۵۰
"محدث فتویٰ کمیٹی"	چند اہم سوالات کے جوابات [م: حبیب الرحمٰن مدنی، حافظ]	اگست ۲۵/ ۲۱تا۲۴

غیر مسلموں سے موالات

حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	بین الاقوامی معاہدے اور تعارضِ صلح [غیر مسلموں کے مساوی مذہبی حقوق]	نومبر ۲۰۲۰/ ۲۹تا۵۲
محمد زبیر، حافظ ڈاکٹر	مساجد میں غیر مسلم کو اپنی عبادت کی اجازت دینے کا مسئلہ	اگست ۲۰۲۴/ ۴۹تا۵۷
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	احادیث میں غیر مسلموں سے مشابہت کی ممانعت	اپریل ۲۰۲۵/ ۱۸تا۳۱
"محدث فتویٰ کمیٹی"	غیر مسلم ممالک میں تعلیم کے لیے جانے کا حکم؟ [مرتب: حبیب الرحمٰن مدنی، حافظ]	اگست ۲۰۲۵/ ۱۸تا۲۱

ماہِ ربیع الاوّل اور عید میلاد؟

کفایت اللہ سنابلی	ماہِ ربیع الاوّل اور عید میلاد: تاریخ کی روشنی میں	فروری ۱۴/ ۷تا۳۴
عبیدالرحمٰن محسن	عید میلاد النبیؐ: محل نزاع کیا ہے؟	اکتوبر ۲۴/ ۴۹تا۵۴

ٹرانس جینڈر اور خواجہ سرا

عبدالرحمٰن مدنی، حافظ	۲۰۱۸ء کے نام نہاد حفاظتی ایکٹ کی فریب کاری [اداریہ /	جنوری ۲۰۲۳/ ۲تا۲

ٹرانس جینڈر پر خصوصی اشاعت]

حمزہ مدنی، حافظ ڈاکٹر	مخنث (خسرہ) کے شرعی احکام اور حالیہ ٹرانس جینڈر ایکٹ	جنوری ۲۰۲۳/ ۴تا۵
عبد الرحمٰن عزیز	خواجہ سرا: شناخت اور حقوق و فرائض: قرآن وسنت کی...	جنوری ۲۰۲۳/ ۶تا۲۲
ادارہ	ٹرانس جینڈر ایکٹ (اُردو متن)	جنوری ۲۳/ ۲۳تا۲۸
ادارہ	پاکستان میں قانون سازوں کی ترجیحات [بسلسلہ ٹرانس جینڈر ایکٹ]	جنوری ۲۰۲۳/ ۲۹تا۳۱
صائمہ اسماء، ڈاکٹر	کیا تیسری جنس حقیقت ہے؟ [بسلسلہ ٹرانس جینڈر ایکٹ]	جنوری ۲۳/ ۳۲تا۳۷
شجاع الدین	ٹرانس جینڈر ایکٹ پر ایک نظر: کتاب وسنت اور سائنس کی روشنی میں	جنوری ۲۰۲۳/ ۳۸تا۷۷
قبلہ ایاز، ڈاکٹر	خواجہ سرا ایکٹ ۲۰۱۸ پر اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات [ٹرانس جینڈر ایکٹ]	جنوری ۲۰۲۳/ ۷۸تا۸۱
خالد محمود، چودھری	پاکستان شریعت کونسل کا تجزیہ وتجاویز [ٹرانس جینڈر ایکٹ]	جنوری ۲۳/ ۸۲تا۸۹
عاصم حفیظ، پروفیسر	صنفی تبدیلی کے تحفظ کا قانون اور دینی حلقے	جنوری ۲۳/ ۹۰تا۹۴
ثوبیہ الطاف، ڈاکٹر	انٹر سکیس اور ٹرانس جینڈر	جنوری ۲۳/ ۹۵تا۱۰۱
فائقہ اویس	بدلتے سماجی رویے اور ہماری ذمہ داریاں [ٹرانس جینڈر ایکٹ]	جنوری ۲۰۲۳/ ۱۰۲تا۱۰۴

معاشرت

محمود اختر، حافظ	فساد وبدامنی کا انسداد اور احادیثِ نبویہ ﷺ	فروری ۱۴/ ۸۷تا۱۰۴
عبد الحنان کیلانی	آزادی اور مساوات کی مسلمہ جمہوری اقدار: دورِ حاضر کے...	اپریل ۱۴/ ۷۶تا۸۷
محسن فارانی	سول سوسائٹی، پاکستان اور اسلام	فروری ۱۵/ ۵۸تا۶۸
فاطمہ جلیل فلاحی	رسم ورواج کی پاسداری اور اسلامی شریعت	اپریل ۱۵/ ۷۳تا۸۱
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	اصلاحِ معاشرہ میں علمائے کرام کا کردار [اداریہ]	دسمبر ۲۰۱۵/ ۴تا۱۶

صلاح الدین یوسف	تحفظِ نسواں بل کا تنقیدی جائزہ اور متبادل حل [اداریہ]	اپریل ۲۰۱۶ / ۴ تا ۳۰
صلاح الدین یوسف	کیا حائضہ عورت قرآن مجید کی تلاوت کر سکتی ہے ؟	مارچ ۲۰۱۸ / ۵۷ تا ۸۱
عبد الرحمٰن عزیز	الحاد کے معاشرے پر اثرات [ایک اہم تحقیقی، تربیتی نشست کا احوال، رپورتاژ]	جون ۲۰۱۹ / ۶۴ تا ۸۲
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	"میرا جسم، میری مرضی"، کا نعرہ: ایک تحلیلی جائزہ	مئی ۲۰۲۰ / ۴۳ تا ۷۶
عبد الرحمٰن عزیز	سونے کے نبویؐ آداب اور میڈیکل سائنس	جون ۲۰۲۴ / ۵۱ تا ۶۴

ہیومن مِلک بینک

محمد زبیر، حافظ ڈاکٹر	دودھ بینک یا رضاعت سینٹر؟ [اداریہ / نسوانی دودھ کے بینک]	اگست ۲۰۲۴ / ۲ تا ۴
"علما فتویٰ کونسل"	ہیومن ملک بینک کے قیام کی شرعی حیثیت	اگست ۲۴ / ۱۶ تا ۲۴
محمد عمیر + محمد خبیب	ملک بینک: شریعت اور قانون کی نظر میں	اگست ۲۴ / ۲۵ تا ۴۸

عائلی مسائل

صلاح الدین یوسف	حلالہ ملعونہ مرّوجہ کا قرآن کریم سے جواز: اشکالات کا جائزہ-۱	فروری ۲۰۱۴ / ۲۰ تا ۳۶
صلاح الدین یوسف	حلالہ ملعونہ مرّوجہ کا قرآن کریم سے جواز: اشکالات کا جائزہ-۲	اگست ۲۰۱۴ / ۶۲ تا ۸۵
صلاح الدین یوسف	حلالہ ملعونہ مرّوجہ کا قرآن کریم سے جواز: اشکالات کا جائزہ-۳	اکتوبر ۲۰۱۴ / ۵۶ تا ۶۸
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	کیا عورت عدالت سے خلع حاصل نہیں کر سکتی؟ [اداریہ]	اگست ۲۰۱۵ / ۴ تا ۲۳
صلاح الدین یوسف	ایک مجلس کی تین طلاقیں اور بھارتی سپریم کورٹ [اداریہ]	ستمبر ۲۰۱۷ / ۴ تا ۱۹
عبد الرحمٰن مدنی	لاپتہ خاوند کا انتظار کب تک کیا جائے؟	ستمبر ۲۰۱۷ / ۲۰ تا ۲۳
صلاح الدین یوسف	طلاق کے ضروری مسائل واقسام [طلاق دو مرتبہ ہے؟]	اگست ۲۰۱۹ / ۲۵ تا ۳۵
عبد الرحمٰن عزیز	خاوند کے دوسرے نکاح سے پہلی بیوی کو نکاح ختم کرنے کا حق	دسمبر ۲۰۲۴ / ۴ تا ۶

ابو بکر قدوسی	خلع لینے والی عورت حق مہر کی مستحق؟	اگست ۲۰۲۵/ ۷تا۱۰
محمد زبیر، حافظ ڈاکٹر	اٹھارہ سال سے پہلے نکاح: ریاستی اور اسلامی قانون کی نظر...	اگست ۲۵/ ۳۰تا۳۸

تعلیم و تعلم

حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	تعلیم نسواں اور ارشاداتِ نبویہؐ	دسمبر ۲۰۱۵/ ۱۷تا۳۸
محمد حسین، ملک	یکساں قومی نصاب، ایک بکھرتا خواب!	مئی ۲۰۲۰/ ۹۲تا۹۸

مدارسِ دینیہ

حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	وفاق ہائے مدارس کی تازہ پیش قدمی اور دینی مدارس کی اسناد کی منظوری؟ [اداریہ]	نومبر ۲۰۱۷/ ۴تا۲۹
......نامعلوم	دینی مدارس وجامعات کو مربوط نظام کے تحت لانے کے لیے متفقہ حکمتِ عملی!	نومبر ۲۰۱۷/ ۳۰تا۳۲
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	وفاق ہائے مدارس سے حکومت کے تازہ مطالبے [اداریہ]	جون ۲۰۱۹/ ۴تا۲۰
احمد عیسیٰ معصراوی	حفظِ قرآن کے استاد کے اوصاف [خطاب، مترجم: حافظ حسن مدنی]	نومبر ۲۰۲۰/ ۵۳تا۶۲
محمد امین، ڈاکٹر	دینی مدارس کی رجسٹریشن کا مسئلہ [اداریہ]	فروری ۲۰۲۵/ ۴تا۸
عبد الرحمٰن عزیز	مدارس کی رجسٹریشن کا قضیہ اور مناسب لائحہ عمل	فروری ۲۰۲۵/ ۹تا۱۷
ابو عمرو، ڈاکٹر حافظ	دینی مدارس کے طلبہ کی خدمت میں	اپریل ۲۰۲۵/ ۹تا۱۰
عبد الرحمٰن عزیز	ملتقیٰ فضلاء جامعہ لاہور الاسلامیہ: ۴ر فروری ۲۰۲۵ء	اپریل ۲۵/ ۶۱تا۶۸
محمد ظہیر، حافظ	جامعہ لاہور الاسلامیہ کی سالانہ پُر وقار تقریبات	اپریل ۲۵/ ۶۹تا۷۴
ظہیر ادریس، قاری	تنظیم المساجد والمدارس السلفیہ، پاکستان	جون ۲۰۲۵/ ۵۱تا۵۷

سیاسیات

حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	حاکم کا ''صادق وامین'' ہونا اور شریعتِ اسلامیہ [اداریہ]	جولائی ۲۰۱۷/ ۴تا۳۹
محمد زبیر، حافظ ڈاکٹر	جواب آں غزل در ''اسلام اور ریاست'': ایک جوابی بیانیہ	فروری ۱۵/ ۴۱تا۵۷

محمد زکریا رفیق	سیکولرزم کا تعارف وارتقا اور مسلم دنیا پر اثرات	جون ۲۰۱۹/ ۳۰تا۵۱

معاشیات

صلاح الدین یوسف	انسدادِ سود کی کوششیں اور حکومت کا رویہ [اداریہ]	مئی ۲۰۱۷/ ۴تا۱۴
شاہد حسن صدیقی	اسلامی بینکاری: علمائے کرام سے گذراشات	مئی ۲۰۱۷/ ۱۵تا۱۷
حبیب الرحمٰن مدنی	آن لائن کاروبار کے شرعی اُصول وضوابط [سوناچاندی کاکاروبار...]	اکتوبر ۲۰۲۵/ ۱۱تا۱۴

نظامِ عدل

کمال بن سیّد سالم	منشیات کی حرمت، شراب نوشی کی سزا اور احکام [مترجم: (محمد) اسحاق طاہر]	اپریل ۲۰۱۴/ ۳۲تا۵۵
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	غیرت کے نام پر قتل اور شریعتِ اسلامیہ [اداریہ]	دسمبر ۲۰۱۴/ ۴تا۲۲
صلاح الدین یوسف	تحفظِ نسواں بل کا تنقیدی جائزہ اور متبادل حل [اداریہ]	اپریل ۲۰۱۶/ ۴تا۳۰

اسلام اور مغرب

محمد نعمان فاروقی	عالم کفر کی عالم اسلام سے کشاکش: چند فکر انگیز پہلو	مئی ۲۰۱۷/ ۷۳تا۸۲
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	مغرب کے انسانی حقوق کے کرشمے....[اداریہ]	اگست ۲۰۱۹/ ۴تا۲۴
محمد احمد رضا	مغربی پروپیگنڈے کی کامیابی کاراز	اگست ۲۰۲۴/ ۱۳تا۱۵

تصویرِ وطن (پاکستان)

عبداللہ حسن	قوم وملت کا مفاد طالبان سے صلح ومذاکرات میں ہے	فروری ۲۰۱۴/ ۳تا۱۹
عبداللہ حسن	پاکستان میں قیامِ امن کی حالیہ جدوجہد! [اداریہ]	فروری ۲۰۱۵/ ۳تا۱۹
محمد نعمان فاروقی	فروغِ اسلام کے لیے لوگوں سے افرادی تعاون [حدود وشرائط]	مارچ ۲۰۱۷/ ۴۳تا۵۵
عبدالرحمٰن مدنی	پاکستانی اور سعودی دساتیر اور نظامہائے عدل کا تقابلی جائزہ	مئی ۲۰۱۷/ ۳۷تا۵۹
فضل الٰہی، ڈاکٹر	وفاقی وزارتِ مذہبی اُمور کا کیلنڈر "نظامِ اوقات نماز": دین میں دخل اندازی	جون ۲۰۱۸/ ۴۹تا۶۲

محمد زبیر، حافظ ڈاکٹر	ہماری موجودہ قومی زبوں حالی: وجوہات اور حل [اداریہ "چند ملکی حوادث" پر ایک نظر/ اداریہ]	جون ۲۰۲۴/ ۲ تا ۵
حمزہ مدنی، حافظ ڈاکٹر	کیا فرقہ وارانہ تشدد کے سامنے حکومت گھٹنے ٹیک دے گی؟ [اداریہ/ جوبلی ٹاؤن لاہور کی ایک مسجد کا قضیہ]	اپریل ۲۰۲۵/ ۴ تا ۸
ادارہ	پاک بھارت جنگ ۲۰۲۵ء سے کیا حاصل ہوا؟ [اداریہ]	جون ۲۰۲۵/ ۸ تا ۱۳
ادارہ	سیلاب کی آزمائش اور ہماری ذمہ داریاں [اداریہ]	اکتوبر ۲۰۲۵/ ۸ تا ۱۰
عبید الرحمٰن محسن	مساجد کی شرعی حیثیت اور چند غور طلب پہلو [اسلام آباد میں مساجد کی مسماری]	اکتوبر ۲۵/ ۴۴ تا ۵۰

عالم اسلام وعالم مغرب

حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	عراق میں "دولتِ خلافتِ اسلامیہ" کا اعلان [داعش اور مغرب: چند اہم اُمور/ اداریہ]	اگست ۲۰۱۴/ ۴ تا ۳۶
خالد المعینا	اہلِ مغرب کا مسلمانوں سے سفاکانہ رویہ [فلسطین پر اسرائیلی مظالم]	اگست ۲۰۱۴/ ۹۶ تا ۹۸
زاہد الراشدی، مولانا	دولتِ فاطمیہ کی واپسی کی کوششیں [یمن میں بغاوت کے پس منظر میں]	اکتوبر ۲۰۱۴/ ۸۱ تا ۸۲
محمد نعمان فاروقی	اتحاد کا عوامی اور شرعی مفہوم: ایک موازنہ	دسمبر ۲۰۱۴/ ۵۲ تا ۶۶
عبد الجبار سلفی، مولانا	ملتِ اسلامیہ کے خلاف منافقین کی دسیسہ کاریاں	دسمبر ۱۴/ ۶۷ تا ۸۲
محمد عاصم حفیظ	ہندوستان میں مذہب اور سیکولرازم کی کشمکش "پی کے" فلم کے تناظر میں	فروری ۲۰۱۵/ ۶۹ تا ۸۲
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	سعودی اتحاد کے ذریعے یمنی بغاوت کی سرکوبی [اداریہ]	اپریل ۲۰۱۵/ ۴ تا ۲۶
عبد الرحمٰن السدیس	مدینہ منورہ کے فضائل و آداب [خطبہ جمعہ]	جنوری ۱۷/ ۲۸ تا ۴۶
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	امریکہ کا سفید جھوٹ اور عراق کی بربادی	ستمبر ۲۰۱۷/ ۶۳ تا ۸۲
خضر حیات، حافظ	سعودی عرب میں خطبہ جمعہ کا نظام	جون ۲۰۱۹/ ۵۹ تا ۶۳

محمد زبیر، حافظ ڈاکٹر	آلِ سعود اور عثمانی سلاطین کا تقابلی مطالعہ...-۱	اگست۲۰۱۹/۳۶تا۵۳
ثمرہ شفیق+ایمن جاوید	چینی صوبے سنکیانگ میں مسلمانوں کے حالات[اُمتِ مسلمہ کے لیے لمحہ فکریہ]	نومبر۲۰۱۹/۵۲تا۶۵
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	مسئلہ کشمیر پر اقوامِ متحدہ کا دوغلا کردار[اداریہ]	فروری۲۰۲۰/۴تا۲۶
اوریا مقبول جان	سو فیصد تعلیم یافتہ مغلیہ اسلامی ہندوستان کو اَن پڑھ کس نے بتایا؟	فروری۲۰۲۰/ ۹۰تا۹۸
محمد زبیر، حافظ ڈاکٹر	شامی انقلاب: ماضی، حال اور مستقبل	فروری۲۵/۴۱تا۵۱
یوسف سراج، حافظ	ایران و شام پر اسرائیلی حملے اور ابراہیم کارڈ[اداریہ]	اگست۲۰۲۵/۴تا۶
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	مشترکہ مسلم فوج کا اسلامی نظریہ اور وطن عزیز کے لیے پاسبانِ حرم کا اعزاز[اداریہ]	اکتوبر۲۰۲۵/۴تا۶
جواد حیدر، ڈاکٹر	قطر پر اسرائیلی جارحیت، مسلم ممالک کی سالمیت پر سوالیہ نشان	اکتوبر۲۰۲۵/۶تا۸

سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام (متفرق مسائل)

خاور رشید بٹ	الوہیت مسیح کا مسیحی عقیدہ: قرآن، اناجیل اور عقل کی...	جولائی۱۷/۳۶تا۵۸
خاور رشید بٹ	سیدنا عیسیٰؑ اِلٰہ تھے، یا نبی؟ سیّدنا عیسیٰؑ کی زبانی	ستمبر۲۰۱۷/۲۴تا۳۶
خاور رشید بٹ	سیدنا عیسیٰؑ کے کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہونے کی حقیقت: قرآن کریم اور بائبل کے تناظر میں	نومبر۲۰۱۷ /۳۳تا۴۷
خاور رشید بٹ	سیّدنا عیسیٰؑ کے خالق اور عالم الغیب ہونے کی حقیقت	جون۲۰۱۸/۶۳تا۶۷
ابو انس طیبی	حضرت موسیٰؑ کا عریاں غسل کرنے والی حدیث پر اعتراضات	فروری۲۰۲۵ /۳۷تا۴۰

سیرتِ رسولِ مقبول ﷺ

صدف صادق	جمالِ نبویؐ اور صحابہ کرامؓ کا شوق ووارفتگی	اگست۲۰۱۴/۴۵تا۶۱
محمد نعمان فاروقی	سیرت نبویؐ کی روشنی میں بحرانوں کا حل	فروری۱۵/۲۰تا۴۰

محب اللہ قاسمی	صلاحیتوں کی ن اور اُسوۂ نبویؐ	اپریل ۱۵/ ۲۷تا۳۷
محمد نعمان فاروقی	نبی کریمؐ کے روزانہ کے معمولات	اپریل ۲۰۱۶/ ۵۱تا۶۶
محمد نعمان فاروقی	منصبِ امامت: سیرتِ نبویہؐ کی روشنی میں	فروری ۲۰/ ۵۵تا۷۹
مبشر احمد ربانی، مفتی	رسول اکرمؐ کی ربیٹیاں	اگست ۲۵/ ۴۷تا۵۵

عظمت وسیرتِ صحابہؓ

غلام مصطفیٰ ظہیر	خلفائے ثلاثہ، سیّدنا علیؓ کی نظر میں	جولائی ۱۷/ ۴۰تا۴۵
محمد نعمان فاروقی	اہل بیتؓ اور صحابہ کرامؓ کا فضائل میں اشتراک	نومبر ۲۰۱۷/ ۴۸تا۶۵
محمد شریف شاکر +	سیّدنا ابوہریرہؓ کی مبارک صفات اور مثالی حفظ وضبط	نومبر ۲۰۱۹/ ۳۶تا۵۱
مسعود قاسم، حافظ		
فضل الٰہی، ڈاکٹر	سیدنا ابوہریرہؓ پر دو اعتراضات اور ان کی حقیقت	مئی ۲۰۲۰/ ۴۵تا۶۳
ابو یحییٰ نورپوری	"تحفظِ بنیادِ اسلام بل" پر شیعہ کی پریس کانفرنس	مئی ۲۰۲۰/ ۶۴تا۶۷
سعید مجتبیٰ سعیدی	سیّدنا ابوہریرہؓ کا ایمان افروز تذکرہ	اپریل ۲۵/ ۴۳تا۴۸
ادارہ	ناموسِ صحابہ کرامؓ واہل بیت عظامؓ: علمائے اہلِ حدیث کا متفقہ اعلامیہ	اگست ۲۰۲۵/ ۲۵تا۲۹

ائمہ کرام

ابن بشیر حسینوی	امام طبرانی اور اُن کی کتبِ حدیث کا منہج	اگست ۱۵/ ۶۳تا۷۴
ابن بشیر حسینوی	امام دار قطنی کے حالات اور ان کی اہم کتب کا منہج	دسمبر ۲۰۱۵/ ۵۱تا۶۰
خضر حیات، حافظ	امام مالک اور مؤطا: ایک تعارف	اگست ۱۹/ ۵۴تا۷۲

شخصیات

......نامعلوم	پروفیسر ڈاکٹر سلیمان عبد اللہ اباالخیل مع سعودی وفد کا دورہ جامعہ لاہور الاسلامیہ	اپریل ۱۴/ ۱۰۹تا۱۱۴

عبد الجبار سلفی، مولانا	امیر المومنین ہارون الرشید عباسی ہاشمی	اگست ۲۰۱۴/ ۸۶تا۹۵
محمد زبیر، حافظ ڈاکٹر	مولانا وحید الدین خان: افکار و نظریات	اکتوبر ۲۰۱۴/ ۶۹تا۸۰
کامران طاہر، ملک	پروفیسر ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی سے ایک انٹرویو	اپریل ۲۰۱۵/ ۵۱تا۶۲
ابو سلمان شاہ جہانپوری	مولانا ابو الکلام آزاد کا دینی سفر	جون ۲۰۱۵/ ۳۶تا۵۶
محمد رمضان یوسف	مورخ اہلِ حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی اور ان کی تصانیف	دسمبر ۲۰۱۵/ ۶۹تا۸۲
عبد الحمید رحمانی	تحریک اہلِ حدیث کا موقف اور اس کی خدمات	جنوری ۱۷/۷/۴تا۶۳
ادارہ	حافظ اتۃ اللہ حسین روپڑی کا انتقال	جولائی ۲۰۱۷/ ۳۹
عبد الرشید عراقی	سیّدنا عمر بن عبد العزیز نے کرپشن کا خاتمہ کیسے کیا؟[پاکستان میں ریاستِ مدینہ؟]	جون ۲۰۱۸/ ۶۸تا۸۲
صہیب حسن، ڈاکٹر	مولانا صغیر احمد شاغف اور ان کے لطائفِ علمیہ	نومبر ۲۰۱۹/ ۶۶تا۷۸
عبد القوی لقمان کیلانی	میرے رفیق، میرے عزیز: مولانا عبد الصمد رفیقی	مئی ۲۰۲۰/ ۷۷تا۹۱
جواد حیدر، ڈاکٹر	مولانا صلاح الدین یوسف: پیامِ نبوت کے محافظ	نومبر ۲۰۲۰/ ۶۳تا۸۲
محمد زبیر، حافظ ڈاکٹر	نقل و عقل کی کشمکش میں امام ابن تیمیہ کا موقف	جون ۲۰۲۴/ ۲۸تا۵۰
زبیر اصغر، حافظ	سوانح حیات مولانا احسان اللہ فاروقی	اکتوبر ۲۴/ ۵۵تا۶۴
محمد زکریا رفیق	جامع تراث العلامة الالبانی فی المنهج	دسمبر ۲۴/ ۶۰تا۶۶
زبیر شاہین اعظمی	شیخ الحدیث حافظ عبد العزیز علوی کی سوانح حیات	فروری ۲۵/ ۵۲تا۵۶
حبیب اللہ قمر	پروفیسر حافظ عبد الرحمٰن مکی کی سوانح حیات	فروری ۲۵/ ۵۷تا۶۱
محمد آصف سعد	پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی	اپریل ۲۵/ ۳۹تا۵۴
متین قدوسی، حافظ	محدثِ وقت شیخ ابو اسحاق الحوینی: ایک شمع جو بجھ گئی	اپریل ۲۵/ ۵۵تا۶۰
عاصم حفیظ، پروفیسر	سینیٹر پروفیسر ساجد میر	جون ۲۰۲۵/ ۵۸تا۶۶
طاہر الاسلام عسکری	عبد العزیز رحیم آبادی اور اُن کی تصنیف "حُسن البیان"	اکتوبر ۲۰۲۵/ ۵۱تا۶۳
ابو عمرو، ڈاکٹر حافظ	محدث عبد الوکیل ہاشمی کا سانحہ ارتحال	اکتوبر ۲۰۲۵/ ۶۴تا۶۶

تقابل فرقِ وادیان

حسنین شاکر زبیری	کرسمس کی حقیقت اور اسے منانے کی شرعی حیثیت	فروری ۱۴/ ۵۵ تا ۷۳
عبدالوارث گِل	کرسمس کی اصلیت: تاریخ کے آئینے میں	فروری ۱۴/ ۷۴ تا ۸۶
ارشد جاوید، پروفیسر	مرزا غلام احمد قادیانی: نبی یا نفسیاتی مریض؟	اپریل ۱۴/ ۵۶ تا ۷۵
شکیل عثمانی	جاوید احمد غامدی کے متضاد خیالات اور جماعتِ احمدیہ لاہور	مئی ۲۰۱۷/ ۶۰ تا ۷۲
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	اسلام آباد ہائیکورٹ میں مقدمہ ختم نبوت [اداریہ]	مارچ ۲۰۱۸/ ۳ تا ۲۵
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	مقدمہ ختم نبوت اسلام آباد ہائیکورٹ کا فیصلہ اور قادیانی ارتداد کی حقیقت [اداریہ]	جون ۲۰۱۸/ ۳ تا ۳۴
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	مسلم حکومت میں غیر مسلموں پر عائد شرائط [قادیانیت کے خلاف ہائی کورٹ میں پیش کردہ شرعی دلائل]	فروری ۲۰۲۰/ ۲۷ تا ۵۴
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	قومی اقلیتی کمیشن میں قادیانیوں کی نمائندگی؟	مئی ۲۰۲۰/ ۶۸ تا ۷۲
غلام مصطفیٰ ظہیر	عید غدیر [شیعوں کی عید؟]	اگست ۲۴/ ۵۸ تا ۶۴
عبیدالرحمٰن محسن	نصاب میں شیعہ عقائد کی ترویج اور فرقہ واریت کا بیج	جون ۲۰۲۵/ ۳ تا ۷
محسن فاروقی	لغزشیں اہلِ صحافت کی [موجودہ دور، صحافت اور اسلام]-۱	جون ۲۰۱۵/ ۵۷ تا ۶۴
محسن فاروقی	لغزشیں اہلِ صحافت کی [موجودہ دور، صحافت اور اسلام]-۲	اگست ۱۵/ ۷۵ تا ۸۲
حمید اللہ عبدالقادر	میڈیا کا کردار اور قرآنی تعلیمات	دسمبر ۲۰۱۵/ ۳۹ تا ۵۰
محسن فاروقی	لغزشیں اہلِ صحافت کی [موجودہ دور، صحافت اور اسلام]-۳	دسمبر ۲۰۱۵/ ۶۱ تا ۶۸

رسائل وجرائد

محمد شفیق کوکب	اشاریہ ماہنامہ ''محدث'': ۲۰۱۲ء-۲۰۱۳ء	فروری ۱۴/ ۱۱۱ تا ۱۱۴
ادارہ	موسوعہ فہارس مجلاتِ علمیہ [کثیر الجہاتی اشاریوں کا انسائیکلوپیڈیا/ اشتہار]	مئی ۲۰۲۰/ ۲

ادارہ	موسوعہ فہارس مجلاتِ علمیہ [کثیر الجہاتی اشاریوں کا انسائیکلوپیڈیا/اشتہار]	نومبر ۲۰۲۰/ ۲

متفرقات

محمد نعمان فاروقی	امن کی ضرورت و اہمیت اور شرعی رہنمائی	جون۲۰۱۵/ ۷۹تا۸۲
ابو یحییٰ نور پوری	مذہب بیزاری کی اہم دلیل کا تجزیہ	جون۲۰۱۹/ ۵۲تا۵۸
حسن مدنی، حافظ ڈاکٹر	کورونا وائرس سے احتیاط اور احادیثِ نبویہؐ کی رہنمائی	مئی ۲۰۲۰/ ۳۴تا۴۴
ابتسام الٰہی ظہیر	دفاعِ شعائر اللہ سیمینار	اکتوبر ۲۰۲۵/ ۱۵تا۱۸
ادارہ	کُل جماعتی اعلامیہ دفاعِ شعائر اللہ	اکتوبر ۲۰۲۵/ ۱۹تا۳۸
حمزہ مدنی، حافظ ڈاکٹر	الرؤية السلفية للجيش الاسلامی الشامل [عربی]	اکتوبر ۲۰۲۵/ ۶۷
صہیب حسن (مبصر)	سفرنامہ بیت المقدس از حافظ عبد الاعلیٰ درانی	فروری ۲۵/ ۶۲تا۶۸
عبد اللہ، مفتی (مبصر)	محمد (عمار خان) کا نیا اسلام اور اُس کی سرکوبی از مفتی عبد الواحد + مفتی شعیب احمد	اپریل ۲۰۱۴/ ۹۲تا۱۰۸

اصحابِ مقامات (گانوں کے انداز میں قرآن پڑھنے والے) سے نفرت

ایک شخص نے عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے پاس تلاوت کی، آپ کو اس کی قراءت پسند آئی تو فرمایا: اگر آپ کے لیے مشقت کا باعث نا ہو تو آپ ہمارے پاس آتے رہا کریں، اس شخص نے حامی بھر لی، جب وہ جانے لگا تو لوٹ کے عمر رحمہ اللہ کے پاس آیا اور کہا: اللہ آپ کی اصلاح فرمائے! بخدا ابھی تو میں نے صرف ایک لحن (مقام) میں آپ کو پڑھ کر سنایا ہے، مجھے تو اور بھی بہت سے الحان (مقامات) پر مہارت ہے، یہ سن کر سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے فرمایا: «أَوَ إِنَّكَ لَمِنْ أَصْحَابِ الْأَلْحَانِ اخْرُجْ لَا تَأْتِنَا» "اچھا تو تم الحان (مقامات) والے حضرت ہو، یہاں سے نکل جاؤ اور ہمارے پاس آنے کی زحمت نہ کرنا!"

[مختصر قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر، ص:۱۳۵]

اعلان داخلہ 2026

50 سالوں پر محیط مدنی فروٹ پری علماء کی عظیم تعلیمی جدو جہد کی امین درسگاہ

محترمہ و مکرمہ باجی عائشہ مدنی

محترمہ و مکرمہ آپا رضیہ مدنی

جامعۃ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ) کے شعبہ

کلیۃ القرآن الکریم للبنات

ہمارا نصب العین معاشرتی چیلنجز کو سامنے رکھتے ہوئے دینی واخلاقی تربیت یافتہ عالمات / قاریات تیار کرنا جو دین اسلام اور قوم وملت کی ترقی میں فعال مددگار ہوں

حفظ القرآن | تجوید وقراءات | 6 سالہ درس نظامی + ریگولر BS ISLAMIYAT | ڈیڑھ سال ڈپلومہ کورس

Hifz-ul-Quraan

- ہاسٹل کی سہولت کے ساتھ
- قرآن کی تعلیم قواعد تجوید وصحیح تلفظ کیساتھ
- ائمہ حرمین کے لہجات کی پابندی

Tjaweed-o-Qiraat

- قواعد تجوید اوران کا عملی اجراء
- ترتیل وحدر مکمل قرآن کریم
- سبعہ وعشرہ قراءات مکمل قرآن کریم

Dars-e-Nazami

- بمطابق وفاق المدارس السلفیہ پاکستان
- ترجمہ وتفسیر، حدیث، سیرت، عقیدہ، فقہ، ادعیہ، عربی گرامر
- عصر حاضر کو مدنظر رکھتے ہوئے عصری تعلیم لازمی

Diploma Course

- مکمل ترجمہ قرآن ☑ نخبۃ الصحیحین ☑ تجلیاتِ نبوت
- اسلامی عقیدہ ☑ ابتدائی عربی گرامر ☑ مکمل تجوید القرآن
- مکمل قراءاتِ سبعہ وعشرہ ☑ حفظ القرآن الکریم

سہولیات وخصوصیات

- ☑ باپردہ محفوظ تعلیمی وتربیتی ماحول
- ☑ شرعی علوم وفنون میں ماہر محنتی اور تجربہ کار اساتذہ ومعلّمات
- ☑ صاف ستھرا تعلیمی ماحول ☑ دینی وعصری تعلیم ایک چھت تلے
- ☑ نئے کلاس رومز اور شاندار بلڈنگ ☑ بہترین ہاسٹل وکھانا
- ☑ محنتی طالبات کے لیے ماہوار وظیفہ ☑ نماز باجماعت کا اہتمام
- ☑ سالانہ مطالعاتی وتفریح ٹورز ☑ نامور علماء ریسرچ سکالرز اور ماہرین تعلیم سے استفادے کے مواقع
- ☑ فن تقریر میں مہارت کے لیے ہفتہ وار بزم ادب کا انعقاد

شرائط داخلہ

- ☑ میٹرک پاس یا اس کے مساوی اہلیت
- ☑ داخلہ انٹری ٹیسٹ کے ذریعے صرف میرٹ پر ہوگا
- ☑ داخلے کے وقت امیدوار کے ساتھ حقیقی والد / والدہ کا آنا ضروری ہے
- ☑ والد / سرپرست کے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی اور بچی کے بے فارم کی فوٹو کاپی ہمراہ لائیں

الداعیان الی الخیر

حافظ ڈاکٹر حمزہ مدنی مدیر

قاری محمد ظہیر ادریس وائس پرنسپل

جامعۃ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ)

کلیۃ القرآن الکریم للبنات

نزد خیابانِ جناح، جمال چوک، لنک رائیونڈ روڈ لاہور

0305-4466182
0335-1662376

www.kitabosunnat.com magazine.mohaddis.com

CPL No. 49
Vol. 57 No. 1

Monthly MUHADDIS Lahore

35866476
35866396

عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور افکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظرانداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

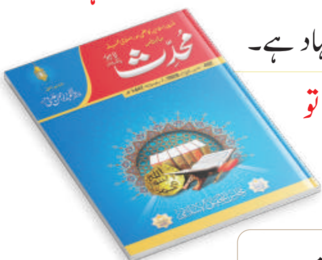

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰۰ روپے
زرِسالانہ ۱۲۰۰ روپے

Designing: AK 0321-4966404

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700